جلد ۷ جون ۱۹۶۶ء شمارہ ٦

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ چھ روپے فی پرچہ ٦٠ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان!

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

جون سنہ ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر
مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ ۶۰ پیسے

فہرست مضامین

طابع و ناشر:- چوہدری محمد ابراہیم ۞ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۞ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۔ ۷ ماهنامه انصاراللہ ربوہ شمارہ ۔ ۶

جون ۱۹۶۶ء

موجودہ دور کے چار مخصوص اعمالِ صالحہ

حقیقی فلاح کے تعلق میں ان کی بے اندازہ اہمیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر قسم کی کامیابیوں، فوز و فلاح، اجر و ثواب اور افضال و انعامات کو ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ وابستہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید ایمان لانے والوں اور ساتھ ہی اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کیلئے عظیم الشان بشارتوں اور غیر معمولی تسلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو ملنے والے بے انداز اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ بجالاتا ہے اللہ بھی اس کی بدیوں کو ڈھانپ دیتا ہے اور اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے ان میں رہتے چلے جائیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے (التغابن آیت ۱۰) کہیں یاد کراتا ہے کہ جو ایمان لائے گا اور اعمال صالحہ بجالائے گا اس کے لئے اس کے خدا کے ہاں اس کے اعمال کے بدلہ میں اچھا انجام مقدر ہے (کہف آیت ۸۹) کہیں انہیں بشارت دیتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بجالانے کیلئے مستعد رہتے ہیں ان کے لئے قابلِ رشک حالت اور بہترین واپسی کی جگہ مقدر ہے (الرعد ۳۰) کہیں مغفرت اور اجر کبیر کی ضمانت دیتے ہوئے فرماتا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالائے ان کے

لئے بخشش اور بہت بڑا انعام ہے (فاطر آیت ۸)۔ یہی نہیں بلکہ وہ انہیں ایک عظیم الشان تسلی بھی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں صرف اجر ہی نہیں ملے گا بلکہ عام اجر سے بھی بڑھ کر ان پر فضل کیا جائے گا (النساء آیت ۱۷۴)۔ الغرض بیا (اس) قسم کی دوسری بہت سی آیات اس امر پر دال ہیں کہ انسان کی زندگی میں ایمان اور اعمال صالحہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جہاں ان سے متصف ہو کر انسان خدا تعالیٰ کے بے انداز افضال و انعامات کا مورد بن سکتا ہے وہاں ان سے روگردانی اور محرومی انسان کو خسران مبین میں مبتلا کرنے کا موجب بنتی ہے۔

پھر قرآن مجید سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ سے صرف نیک اعمال ہی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ نیک اعمال مراد ہیں جو مناسب حال ہوں یعنی وقت اور موقع محل جن کا خاص طور پر متقاضی ہو۔ یوں تو سارے ہی نیک اعمال بجالانا مومنوں پر فرض ہے لیکن بعض وقتوں میں بعض خاص اعمال پر معمول سے بڑھ کر زور دینے اور ان کے بارہ میں خاص عزم و ہمّت اور تعہد سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس وقت وہ مخصوص اعمال محض نیک اعمال نہیں رہتے بلکہ اعمالِ صالحہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اور نیکیاں تو بجالاتا ہے لیکن وقت کے تقاضوں کا پاس نہ کرتے ہوئے اُن خاص اعمال کی بجاآوری سے غفلت برتتا ہے جن پر باقتضائے وقت زور دینے کی ضرورت ہوتی ہے تو معروف نیک اعمال بجالانے کے باوجود وہ عنداللہ اعمال صالحہ بجالانے والا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ ان عظیم الشان انعامات کا مورد بن سکتا ہے جو اعمال صالحہ بجالانے والوں کے لئے مقدر ہیں۔ اس میں شک نہیں دوسرے نیک اعمال کا بجالانا بھی ضروری ہوتا ہے لیکن وقت کے تقاضوں کی روشنی میں جن اعمال پر زور دینا ضروری ہو انہیں کمال تعہد اور عزم و ہمّت سے بجالائے بغیر اور ان میں انتہائی توجہ انہماک اور شغف کا مظاہرہ کئے بغیر موعودہ کامیابیوں اور فوز و فلاح کا میسّر آنا ہرگز ممکن نہیں ہوتا

اعمال صالحہ کی بنیادی اہمیت واضح ہونے کے بعد طبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نیک اعمال جو کسی خاص وقت میں بدرجۂ اولیٰ اعمال صالحہ کا درجہ رکھنے والے ہوں انسان کو ان کا کیونکر علم ہو اور وہ ان اعمال کو بجالانے کی توفیق سے کیونکر بہرہ ور ہو۔ اس کے لئے اسلام نے ہر شخص کو اس امر کا مکلّف نہیں ٹھہرایا ہے کہ وہ خود وقت کے تقاضوں کو پرکھے اور از خود یہ فیصلہ کرے کہ کون سے نیک اعمال باقتضائے وقت بدرجۂ اولیٰ اعمال صالحہ کہلانے کے مستحق ہیں اور پھر خود ہی ان پر عمل پیرا ہو۔ اسلام نے اس بارہ میں مومنوں کو ایک ہی حکم دیا ہے اور وہ ہے امام وقت کے ساتھ دلی وابستگی اور اس کی پوری پوری اطاعت۔ وقت کے تقاضوں کو پرکھنے، ان کے مطابق اعمال صالحہ کا فیصلہ کرنے اور تمام مومنوں سے ان کی بجاآوری کرانے کا اختیار صرف اور صرف امام کو حاصل ہے، امام وقت کو اللہ تعالیٰ کی راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ

خود حسب ضرورت اپنے مقرر کردہ امام پر غلبۂ اسلام کی آسمانی سکیم کی مختلف کڑیاں کھولتا ہے اور امام اللہ تعالےٰ کی رہنمائی میں مومنوں کو بتاتا چلا جاتا ہے کہ اب نیک اعمال میں سے کن اعمال پر نسبتاً زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اللہ، رسول اور خلفاء کی اطاعت پر بے انتہا زور دیا ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے علاوہ تمام اجر و ثواب کو ان کی اطاعت کے ساتھ وابستہ ٹھہرایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وقت کی اطاعت کے بغیر مومنوں کو اعمال صالحہ بجا لانے کی توفیق مل ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"درحقیقت اقامۃ الصلوٰۃ بھی بغیر خلیفہ کے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اطاعت رسول بھی ... خلیفہ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے رشتہ میں پرو دیا جائے۔ یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور آج کل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر صحابہؓ اور آج کل کے مسلمانوں میں فرق کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں ایک نظام کا تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے صحابہؓ اسی وقت اس پر عمل کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے لیکن یہ اطاعت کی روح آج کل کے مسلمانوں میں نہیں۔ مسلمان نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے۔ مگر ان کے اندر اطاعت کا مادہ نہیں ہوگا کیونکہ اطاعت کا مادہ نظام کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی۔ اطاعت رسول بھی ہوگی۔ کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو، یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں۔ اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ غرض یہ تین باتیں ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰۃ بھی جاتی رہے گی اور تمہارے دل سے اطاعت رسول کا مادہ

بھی جاتا رہے گا"

(تفسیر کبیر جلد ۵ - جزو اوّل تفسیر سورۃ نور صفحہ ۳۷۰)

نیز اعمال صالحہ کی توفیق ملنے کے ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احباب جماعت کو اپنے اندر اطاعت کا مادہ پیدا کرنے اور اسے اوجِ کمال تک پہنچانے کی تلقین کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:-

"قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو "کُلّی" طور پر خدا کی تدبیر کے ماتحت کر دیں۔ مگر وہ مردہ نہیں ہوتے ان کے اندر جوش اور اخلاص ہوتا ہے وہ قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں مگر قربانی کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں جب (خلیفۂ وقت کی وساطت سے) خدا تعالیٰ کی طرف سے اِذن ہو اور جس رنگ میں ہو وہ اسی وقت اور اسی رنگ میں قربانی کرتے ہیں . . . . جب کوئی شخص ایسا ہو جائے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے نازل کرتا ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہی کامیابی کا ذریعہ ہے تم سوچو تو سہی کیا ہماری اتنی طاقت ہے کہ ساری دنیا کو فتح کر سکیں۔ ہمیں تو جو کامیابی ہو گی فرشتوں کے ذریعہ سے ہو گی اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب مومن اپنے نفسوں پر تالا لو رکھیں اور دل میں اس کے لئے بالکل تیار رہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی اپنے نفسوں کو قربان کر دیں گے" (الفضل ۲ ستمبر ۱۹۳۷ء)

الغرض تمام تر کامیابی اور فوز و فلاح ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ وابستہ ہے اور ایمان پر قائم رہنا اور اعمال صالحہ کی توفیق کا ملنا منحصر ہے خلیفۂ وقت کی کامل اطاعت پر۔

آج روئے زمین پر جماعت احمدیہ ہی وہ واحد جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خلافت کی عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور جو امام وقت کی اطاعت کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے اسی لئے اسے اوّل دن سے صحیح معنوں میں اعمال صالحہ بجا لانے کی توفیق ملتی چلی آ رہی ہے یہ ایک ایسا شرف اور امتیاز ہے جو بجز جماعت احمدیہ کے اور کسی جماعت کو حاصل نہیں۔ اپنے اس امتیاز کی عظمت اور اس کی عظیم الشان برکات کی دل سے قدر کرتے ہوئے ہمارے لئے فی زمانہ یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہم اعمال صالحہ بجا لانے میں بڑے عزم و ہمت سے کام لیں اور اس میں ایسا انہماک اور ایسا شغف دکھائیں کہ آسمان پر خدا کے فرشتے عش عش کر اٹھیں اور خدا تعالیٰ خوش ہو کر نئی کامیابیوں اور ترقیوں کے رستے ہمارے لئے

کھول دے۔ حال ہی میں اُس نے اپنے دائمی وعدہ کے مطابق خلافتِ اللہ کے قیام کے ذریعہ ہمیں زمانہ کے نئے تقاضوں کے بموجب بعض نئے اعمالِ صالحہ سے آگاہی بخشی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں اتنا انہماک دکھائیں کہ اپنا تن من دھن اس راہ میں لگا دیں۔ یہ اعمالِ صالحہ وہی ہیں جن کی طرف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کے ماتحت اور اس کی براہِ راست رہنمائی میں اپنے بصیرت افروز خطبات کے ذریعہ ہمیں توجہ دلاتے چلے آرہے ہیں۔ اب تک حضور نے ہمیں بعض سابقہ اعمالِ صالحہ کے تسلسل میں جن نئے اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ احباب جماعت فضلِ عمر فاؤنڈیشن کے فنڈ میں اپنی استطاعت کی آخری حد تک بڑھ چڑھ کر حصہ لیں
۲۔ جماعت میں کوئی فرد ایسا نہ ہو جو کم از کم ناظرہ قرآن کریم نہ پڑھ سکے۔ ترجمہ اور تفسیر بھی جاننا ضروری ہے،
۳۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر ایسا انتظام کیا جائے کہ کوئی فرد جماعت تنگدستی کی وجہ سے بھوکا نہ رہے۔
۴۔ احباب عارضی وقف کے تحت دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ وقف کریں۔ اور جن جماعتوں میں انہیں متعین کیا جائے۔ وہاں اپنے خرچ پر جاکر مرکز کی زیرِ ہدایت تربیتی اور اصلاحی امور سرانجام دیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے بصیرت افروز خطبات میں ان اعمالِ صالحہ کی تفصیلات بیان فرما چکے ہیں اور ان کی بے اندازہ اہمیت پر روح پرور انداز میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ ان اعمالِ صالحہ کے ضمن میں ہم پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ان سے ہم اچھی طرح باخبر ہیں۔ ان سب کاموں کا غلبۂ اسلام کی آسمانی سکیم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ انہیں بدل و جان پورے عزم و تعہد سے انجام دیئے بغیر ہم دیگر نیک اعمال بجا لانے کے باوجود اعمالِ صالحہ بجا لانے والے قرار نہیں پا سکتے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک فوز و فلاح، اجر و ثواب اور افضال و انعامات کے مورد نہیں بن سکتے ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہماری زکوٰۃ، ہمارے صدقات، ہماری دیگر مالی قربانیاں اپنی جگہ بے انتہا اہم ہونے کے باوجود اُس وقت تک خدا کے ہاں مقبول اور مثمر ثمرات نہیں ہو سکتیں جب تک ہم بہ اقتضائے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی جاری فرمودہ مذکورہ بالا تحریکوں میں جو فی زمانہ بدرجہ اولیٰ اعمالِ صالحہ کے زمرہ میں داخل ہیں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیتے۔ جملہ نیک اعمال پورے تعہد کے ساتھ بجا لانا بھی ضروری ہے اور ساتھ کے ساتھ پورے جذبہ و جوش سے ان تحریکات کو کامیاب بنانا بھی ضروری ہے۔ یہ سابقہ نیکیوں میں کمی کئے بغیر ان تحریکات پر کما حقہٗ زور دینے کا وقت ہے۔ اپنے دیگر نیک اعمال کو نتیجہ خیز اور مثمر ثمرات بنانے کا ایک ہی طریق ہے کہ ہم ان نیک اعمال کو ان تحریکات میں بڑھ چڑھ کر شمولیت سے تقویت پہنچائیں۔ بصورتِ دیگر ان نیک اعمال کا بھی اکارت جانا ناگزیر ہے

اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر فرد کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی جاری کردہ اِن تحریکات کی عظمت و اہمیت کو سمجھنے اور انہیں کامیاب بنانے کی جد وجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صحیح معنوں میں مومن اور اعمالِ صالحہ بجالانے والے قرار پاسکیں، اوراں عظیم الشان کامیابیوں، فوز و فلاح، بے اندازہ اجر و ثواب اور غیر معمولی افضال و انعامات کی پیہم بالشان بشارتوں کے مصداق بن سکیں جن سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو سرفراز فرمایا ہے۔ اے خدا! تو ایسا ہی کر اور اپنے فضل سے ہمیں اطاعت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے ہوئے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی ہر آواز پر جو بلاشبہ خدائی آواز کا درجہ رکھتی ہے، والہانہ لبیک کہنے کی توفیق بخش اور ہمیں اپنے مخلص اور مقبول بندوں میں شمولیت کے شرف سے نواز۔

آمین یا ارحم الراحمین۔

-*-

زبانی قیل و قال کوئی اثر نہیں رکھتی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اچھی طرح یاد رکھو کہ نری لاف و گزاف اور زبانی قیل و قال کوئی فائدہ اور اثر نہیں رکھتی جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو اور ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضار سے نیک عمل نہ کئے جاویں جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف بھیج کر صحابہؓ سے خدمت لی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے وہ اطاعت اور وفاداری دکھائی کہ بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۴۰۰)

ا

؛ کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ؛

خدا کی راہ میں دُکھ اُٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہو!

جب تک اخلاص اور صدق سے کوشش نہ کروگے کچھ نہیں بنے گا

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ دائمی سُکھ اور حقیقی آرام ابتلاؤں اور آزمائشوں میں پورا اترنے پر ہی میسّر آتا ہے فرماتے ہیں :۔

"ہر ایک زمانہ میں علیحدہ علیحدہ امتحان اور آزمائشیں ہوا کرتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو خدا تعالیٰ کی راہ میں جانیں دی تھیں اور اپنے سر کٹوائے تھے اور دوسرے نبیوں کے زمانہ میں کسی اور قسم کے ہی دُکھ اور مصائب تھے۔ غرض جب تک انسان ابتلاؤں اور آزمائشوں میں پورا نہیں اترتا تب تک ترقی نہیں کرتا اور مقبول حضرت احدیت نہیں ہوتا۔ بغیر تکلیفوں اور طرح طرح کے مصائب کے تو کچھ بنتا ہی نہیں۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس پر بدظنی نہیں کرنی چاہیئے جو اُس کی سنّت کو نگاہ میں رکھے گا اور اُس کے لئے دُکھ اور تکالیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاوے گا۔ وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ اگر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہیں چلے گا اور تحمّل سے کام لے گا تو رہ جاوے گا۔

دیکھو فوجوں میں جو لوگ بھرتی ہوتے ہیں اور دنیا کی خاطر لڑنے مرنے اور جان دینے کے لئے نوکر ہوتے ہیں وہ کوئی ہزاروں روپیہ تو تنخواہ نہیں پاتے یہی دس بارہ روپے کی خاطر جان دینا قبول کر لیتے ہیں۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر اور اس دائمی بہشت اور دائمی خوشنودی کے لئے کوئی فکر نہیں کرتے۔ جب دنیا کے لئے ایسے کام کر لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حقیقی آرام اور ہمیشہ کے سکھ کے لئے اتنی کوشش نہیں کی جاتی۔ اصل میں ایسے لوگ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کی قدر نہیں کرتے اگر اس کی قدر کرتے تو جان کیا تھی جو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہو جاتے۔ اصلی زندگی اور حقیقی سکھ تو ہے ہی وہ

جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے سے حاصل ہوتا ہے حقیقی زندگی تو اپنے آپ پر ایک موت وارد کرنے سے ہی ملا کرتی ہے۔ ایسے لوگ جو جنتروں اور منتروں اور ٹونوں اور ٹوٹکوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں دین کے لئے کوشش کرنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ بڑے آرام سے اور گھر بیٹھے بٹھائے قلب کی صفائی ہو جاوے۔ اصل میں جھوٹے تصوف اور کہانیوں نے ان لوگوں کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور ایسی باتوں سے انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دین ایک ایسی چیز ہے جو جنتروں منتروں اور تعویذوں سے حاصل ہو سکتا ہے اسی واسطے ان لوگوں نے بعض بعض ریاضتیں بھی مقرر کی ہوئی ہیں جن پر عمل کرنے سے کہتے ہیں قلب جاری ہو جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجود قلب جاری ہو جانے کے عملی حالت ان کی اور بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اور ایسے وظائف میں سے ایک ذکر آرہ بھی ہے کہ جس کا نتیجہ آخر میں سل ہوا کرتا ہے

حالانکہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی راہ رکھا ہوا ہے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا اور یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ راضی ہو جاوے، کوئی دوئی نہ رہے، خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کی ملونی نہ رہے اور کسی قسم کی دوری یا جدائی نہ رہے۔ یہ تھوڑی سی بات نہیں یہی وہ مشکل گھاٹی ہے جو بڑے بڑے مصائب اور امتحانوں کے بعد طے ہوا کرتی ہے۔ یہ نماز جو تم لوگ پڑھتے ہو صحابہؓ بھی یہی نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی نماز سے انہوں نے بڑے بڑے روحانی فائدے اور بڑے بڑے مدارج حاصل کئے تھے۔ فرق صرف حضور اور خلوص کا ہی ہے۔ اگر تم میں بھی وہی اخلاص، صدق و وفا اور استقلال ہو تو اسی نماز سے اب بھی وہی مدارج حاصل کر سکتے ہو جو پہلوں نے حاصل کئے تھے۔ چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں دُکھ اٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ یاد رکھو جب تک اخلاص اور صدق سے کوشش نہیں کرو گے کچھ نہیں بنے گا۔

بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ یہاں سے تو بیعت کر جاتے ہیں مگر گھر میں جا کر جب تھوڑی سی بھی تکلیف آئی اور کسی نے دھمکایا تو جھٹ مرتد ہو گئے۔ ایسے لوگ ایمان فروش ہوتے ہیں صحابہؓ کو دیکھو کہ انہوں نے تو دین کی خاطر اپنے سر کٹوا دیئے تھے اور جان و مال سب خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ کسی دشمن کی دشمنی کی انہیں پرواہ تک بھی نہ تھی۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی راہ میں سب طرح کی تکالیف اٹھانے اور ہر طرح کے دُکھ برداشت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور انہوں نے اپنے دلوں میں یہی تہیہ کیا ہوا تھا۔ مگر یہ ہیں جو ذرا بھی نمبردار یا کسی اور شخص نے دھمکایا تو دین ہی چھوڑ دیا۔ ایسے لوگوں کی عبادتیں بھی محض پوست ہی پوست ہی ہوتی ہیں ایسوں کی نمازیں کبھی خدا تک نہیں پہنچتیں بلکہ اسی وقت ان کے منہ پر ماری جاتی ہیں اور ان کے لئے لعنت کا موجب ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَوَیْلٌ

لِلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِہِمْ سَاھُوْنَ ۳۲/۳ ؎

وہ لوگ جو نماز دل کی حقیقت سے ہی بے خبر ہوتے ہیں ان کی نمازیں نری ٹکریں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ ایک سجدہ اگر خدا تعالیٰ کو کرتے ہیں تو دوسرا دنیا کو کرتے ہیں۔ جب تک انسان خدا کے لئے تکالیف اور مصائب کو برداشت نہیں کرتا تب تک مقبول حضرت احدیت نہیں ہوتا۔ دیکھو دنیا میں بھی اس کا نمونہ پایا جاتا ہے۔ اگر ایک غلام اپنے آقا کا ہر ایک تکلیف اور مصیبت میں اور ہر ایک خطرناک میدان میں ساتھ دیتا رہے تو وہ غلام غلام نہیں رہتا بلکہ دوست بن جاتا ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کا حال ہے۔ اگر انسان اُس کا دامن نہ چھوڑے اور اُسی کے آستانہ پر گرا رہے اور استقلال کے ساتھ وفاداری کرتا رہے تو پھر خدا بھی ایسے کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کے ساتھ دوست والا معاملہ کرتا ہے۔

وفاداری کا مادہ تو کتے میں بھی پایا جاتا ہے خواہ وہ بھوکا رہے، بیمار ہو جائے، کمزور ہو جائے خواہ کچھ ہی ہو مگر اپنے مالک کے گھر کو نہیں چھوڑتا۔ وہ لوگ جو ذرا سی تکلیف پر دین سے ہی روگردان ہو جاتے ہیں ان کو کتے سے سبق سیکھنا چاہیئے لکھا ہے کہ ایک یہودی مشرف بہ اسلام ہوا۔ کچھ دن بعد جو مصیبت کا سامنا ہوا اور بھوکا مرنے لگا اور فاقہ پر فاقہ آنے لگا تو کسی یہودی کے مکان پر بھیک مانگنے کے لئے گیا۔ یہودی نے اس نو مسلم کو چار روٹیاں دیں جب وہ روٹیاں لے کر جا رہا تھا تو ایک کتا بھی اس کے پیچھے ہو لیا اُس شخص نے یہ خیال کر کے کہ شائد ان روٹیوں میں سے کتے کا بھی کچھ حصہ ہے ایک روٹی کتے کے آگے پھینک دی اور آگے چل دیا۔ کتا اس روٹی کو جلدی جلدی کھا کر پیچھے ہو لیا۔ تب اس نے خیال کیا کہ شائد ان روٹیوں میں سے نصف حصہ کتے کا ہو۔ تب اس نے ایک اور روٹی کتے کے آگے پھینک دی۔ مگر کتا اس کو بھی کھا کر پیچھے پیچھے چل پڑا پھر اس نے معلوم کیا کہ کتا پیچھا نہیں چھوڑتا تو اسے خیال گزرا شائد تین حصے اس کے ہوں اور ایک حصہ میرا ہو اس لئے اس نے ایک روٹی اور ڈال دی مگر کتا وہ روٹی کھا کر بھی واپس نہ گیا تب اسے کتے پر غصہ آیا اور کہا تو بڑا بدذات ہے۔ مانگ کر میں چار روٹیاں لایا تھا مگر ان میں سے تین کھا کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خدا تعالیٰ نے اُس وقت کتے کو بولنے کے لئے زبان دے دی۔ تب کتے نے جواب دیا میں بدذات نہیں ہوں میں خواہ کتنے فاقے اٹھاؤں مگر مالک کے سوا دوسرے گھر پر نہیں جاتا۔ بدذات تو تُو ہے جو دو تین فاقے اٹھا کر ہی کافر کے گھر مانگنے کے لئے گیا۔ تب وہ مسلمان یہ جواب سن کر اپنی حالت پر بہت پشیمان ہوا۔

ایسے ہی گورداسپور میں ایک بلّی تھی خواہ کچھ ہی اس کے پاس پڑا رہے وہ بغیر اجازت کچھ نہ کھاتی تھی ایک دفعہ بعض دوستوں نے اس بلّی کے مالک کو کہا کہ ہم بھی یہ تجربہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے حلوہ دودھ چھیچھڑے وغیرہ بلی کے پاس رکھ کر باہر سے قفل لگا دیا۔ تین دن کے بعد جو دیکھا تو بلّی مری پڑی تھی اور وہ کھانا اسی طرح صحیح سالم موجود تھا۔

اگر ارذل مخلوقات کے صفات حسنہ بھی انسان میں نہ پائے جائیں تو پھر وہ کس خوبی کے لائق ہے "

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۴۶ تا ۲۵۱)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فَسُبْحَانَ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا تَصَوَّرُوا

(ربّ العرش اُس سے جو وہ خیال کرتے ہیں پاک ہے)

رَفِيعٌ عَلِيٌّ كَيْفَ يُدْرَكُ كُنْهُهُ ... إِذَا مَا تَرَقَّتْ عَيْنُنَا تَتَحَيَّرُ

خدا برتر اور بلند ہے اس کی کنہ کیسے دریافت ہو سکے ... ہماری آنکھ جہاں تک ترقی کرتی ہے حیران رہ جاتی ہے

أَتَعْصُونَ بَغْيًا مَنْ بِهِ الْخَلْقُ آمَنُوا ... أَتَنْسَوْنَ يَوْمًا مَا بِهِ النَّاسُ أُنْذِرُوا

کیا تم بغاوت سے اس خدا کے نافرمان بنتے ہو جس کو سب نے مان لیا ہے کیا تم اس دن کو بھلاتے ہو جس سے سب ڈرائے گئے ہیں

وَكَيْفَ يَكُونُ الْعَبْدُ كَابْنٍ لِرَبِّهِ ... فَسُبْحَانَ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا تَصَوَّرُوا

ایک بندہ خدا کے بیٹے کی طرح کیسے ہو سکتا ہے ۔ ... رب العرش اس سے جو وہ خیال کرتے ہیں پاک ہے

وَقَدْ مَاتَ عِيسَى لَيْسَ حَيًّا وَإِنَّنَا ... نَرُدُّ عَلَى مَنْ قَالَ حَيٌّ وَنَزْجُرُ

بے شک عیسےٰ مر چکا ہے اور ہرگز زندہ نہیں اور جو قائل ہو کہ زندہ ہے ہم اس کی تردید کرتے ہیں

وَأَخْبَرَنِي رَبِّي بِمَوْتِ مَسِيحِكُمْ ... وَكَانَ هُوَ الْأَوْلَى وَأَكْفَى وَأَجْدَرُ

خدا نے مجھے تمہارے مسیح (عیسیٰ) کی موت کی خبر دی ہے اور وہ اولیٰ اور کافی تر اور سزاوار ہے ۔

وَإِنَّ جُنُودَ الْأَنْبِيَاءِ وَحِزْبَهُمْ ... أُلُوفٌ فَهَلْ تَرَيَنَّ كَابْنِكَ آخَرُ

ہزاروں انبیاء اور خدا کے بندے گزرے ہیں ... کیا تیرے اکلوتے کی طرح کوئی اور بھی ہے یا نہیں

فَإِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ كَقَوْلِكُمْ ... فَشَجَرَةُ نَسْلِ اللّٰهِ تَنْمُو وَتَكْثُرُ

اگر تمہارے قول کے مطابق خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے ... تو خدا کی نسل تو بڑھ گئی اور بہت ہو گئی ہو گی ۔

أَبُدِّلَ سُنَّةُ رَبِّنَا بَعْدَ مُدَّةٍ ... أَيُمْكِنُ فِي سُنَنِ الْقَدِيمِ تَغَيُّرُ

کیا خدا کا قانون مدت کے بعد تبدیل ہو گیا ہے ... کیا خدائے قدیم کے قانون میں تبدیلی ممکن ہے

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

چیست دیں خود را فنا انگاشتن!

(دین کیا ہے : اپنے تئیں فنا سمجھنا)

تو بہ عقلِ خویش در کبرِ شدید — ما فدائے آنکہ او عقل آفرید
تو اپنی عقل پر نازاں ہو کر سخت متکبر ہو گیا ہے۔ — اور ہم اس پہ فدا ہیں جس نے خود عقل کو پیدا کیا ہے

در قیاساتِ تہی جانت اسیر — جانِ ما قربانِ علمِ آں بصیر
تیری جان خالی خولی قیاسوں میں گرفتار ہے — گر ہماری جان اس بینا خدا کے علم پر قربان ہے

نیک دِل با نیکواں دارد سرے — بدگہر تف مے زند بر گوہرے
نیک دل ان نیکوں سے تعلق رکھتا ہے — اور بدگوہر آدمی موتی پہ تھوکتا ہے

ہست بہ اسرار اسرارِ دِگر! — تا کجا تازد خرِ فکر و نظر
بھیدوں پر بھید ہیں (یعنی اسرار کی انتہا نہیں) — عقل و فکر کا گدھا کہاں تک دوڑے گا

ایں چراغِ مردہ از زورِ ہوا — چوں رہِ باریک بنماید ترا
حرص کی شدت سے یہ بجھا ہوا چراغ — کس طرح تجھے باریک راہ دکھا سکتا ہے

وحیِ یزدانی زرہ آگہ کند — تا بمنزل نور را ہمرہ کند
خدا کی وحی تجھے راستہ سے آگاہ کرتی ہے — اور منزل پر پہنچنے تک نور کو تیرے ساتھ کر دیتی ہے

ما فتادہ بے ہنر در جسم و جاں — حمق باشد دم زنی با آں یگاں
ہمارے جسم اور جان میں کوئی ہنر نہیں ہے — اس لاشریک کے مقابلہ پہ کھڑا ہونا حماقت ہے

چیست دیں خود را فنا انگاشتن — و از سرِ ہستی قدم برداشتن
دین کیا ہے ؛ اپنے تئیں فنا سمجھنا — اور اپنی ہستی سے بالکل الگ ہو جانا۔

ابتلاؤں کا آنا کیوں ضروری ہے

رقم فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالے عنہ نے سورۃ البقرہ کی آیت :-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۔ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۔ (بقرہ آیت ۲۱۵)

ترجمہ :- کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ تم پر ابھی ان لوگوں کی سی تکلیف کی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر ے ہیں تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے! انہیں تنگی بھی پہنچی اور تکلیف بھی اور انہیں خوف دلایا گیا تا کہ رسول اور اس کے ایمان لانے والے ساتھی کہہ اٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی! یاد رکھو اللہ کی مدد یقیناً قریب ہے۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابتلاؤں کے فلسفہ پر بہت روح پرور انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ حضور رضی اللہ تعالےٰ عنہ رقم فرماتے ہیں :-

"ابتلاؤں کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ انسان کی ہمت دیکھ کر ابتلاء ڈالتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایسے ابتلاء انسان پر ڈالے جن کے برداشت کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو۔ ہاں انسان ایسے ابتلاؤں میں ضرور ڈالا جاتا ہے جن کے متعلق وہ غلطی سے خیال کر لیتا ہے کہ میں ان کو برداشت نہیں کر سکوں گا لیکن اس کا یہ خیال درست نہیں ہوتا وہ ان کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسی لئے خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی خدا تعالیٰ کسی پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو۔ بوجھ ہمیشہ وہی ڈالا جاتا ہے جس کے اٹھانے کی انسان میں طاقت ہوتی ہے سوائے اس کے کہ کسی قوم کو تباہ کرنے کا منشاء ہو۔ ورنہ جو ابتلاء کسی جماعت کی ترقی کے لئے ہوتے ہیں وہ طاقت برداشت سے باہر نہیں ہوتے۔ ہاں مومن بعض دفعہ

خیال کر لیتا ہے کہ وہ اس کی طاقت سے بالا ہیں۔ مگر یہ اُس کی غلطی ہوتی ہے۔

جب مومن ایک ابتلاء کو برداشت کر لیتا ہے تو اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کا ایمان کتنا مضبوط ہے پھر اور رنگ میں اس پر ابتلاء آتا ہے اور وہ اسے بھی برداشت کر لیتا ہے۔ اور اس کے دل میں کسی قسم کا شکوہ پیدا ہونے کی بجائے شکر و امتنان کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اتنی طاقت دی کہ میں نے اسے برداشت کر لیا تب اس کا ایمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے اور وہ اس سے بڑے بڑے ابتلاء برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ غرض جوں جوں انسان دلیر ہوتا جاتا ہے آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس طرح ایک تو اُسے اپنے ایمان کی پختگی کا پتہ لگ جاتا ہے دوسرے قربانیوں کے میدان میں اُسے دوسروں سے آگے بڑھنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ترقی کر جاتا ہے۔ غرض ابتلاء کے دو فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان کو اپنی حالت کا پتہ لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اُس کی جان کس قدر تکلیف اٹھا سکتی ہے۔ دوسرے اُس میں آگے قدم بڑھانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔

اِن ابتلاؤں کا آنا ایسا ضروری ہے کہ نبیوں کی کوئی جماعت ایسی نہیں ہوئی جس پر ابتلاء نہ آئے ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ وہ جنت جس کی وسعت کا اندازہ بھی تم نہیں لگا سکتے تمہیں یونہی مل جائے گی یا وہ دنیوی کامیابیاں جن کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے بغیر قربانیوں کے تمہیں مل جائیں گی اور تم پر وہ حالت نہیں گزرے گی جو پہلوں پر گزرتی رہی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ حالت ضرور آئے گی۔ اس لئے یہ مت خیال کرو کہ تم آسانی سے کامیاب ہو جاؤ گے۔ جب تک تم ان حالتوں میں سے نہیں گزرو گے جن میں سے پہلے لوگ گزرے اُس وقت تک تمہیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ انہیں بڑی بڑی تکالیف پہنچی تھیں۔ جسمانی بھی اور مالی بھی۔ انہیں اپنی جائدادیں چھوڑنی پڑیں، رشتہ داروں کو ترک کرنا پڑا، فاقے کرنے پڑے، ماریں کھائیں، قتل ہوئے، غرض وہ کئی رنگ میں ہلائے گئے، جس طرح زلزلہ سے عمارت کبھی دائیں طرف جھکنے لگتی ہے اور کبھی بائیں طرف۔ اسی طرح دیکھنے والے ان کے متعلق یہی سمجھتے تھے کہ یہ اب گرے کہ گرے، حتیٰ کہ ان کی تکالیف بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئیں کہ دشمن نے یہ خیال کر لیا کہ اب یہ گر ہی گئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے رسول اور مومنوں نے دعائیں کرنی شروع کیں کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ۔ اے خدا ابتلاء اب اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تیری مدد آئے اور ہمیں کامیابی عطا کرے۔

مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کے لفظی معنی چونکہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی اس لئے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کی مدد کے متعلق نعوذ باللہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ شائد وہ آئے یا نہ آئے مگر یہ صحیح نہیں۔ اوّل تو مَسَّتْھُمْ میں مَسّ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے ایک یہ کہ عملاً ان کو مشکلات پہنچیں اور دوسرے یہ کہ وہ مشکلات دل پر اثر کرنے والی نہیں تھیں صرف سطحی تھیں اور ان کے دل مضبوط تھے پس جب مشکلات کے باوجود وہ بہادر دل تھے تو

ان کے متعلق کسی مایوسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے سوال کبھی التجا کا رنگ بھی رکھتا ہے انسان کسی سے پوچھتا ہے کہ یہ بات آپ کب کریں گے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نہیں کریں گے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ کر دیں۔ اسی طرح مجسٹریٹ سے جب پوچھا جاتا ہے کہ میری باری کب آئے گی؟ تو اس کے معنے یہ نہیں ہوتے کہ کبھی نہیں آئے گی بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ آجائے۔

بدر کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے خدا اگر یہ مختصر سا گروہ بھی ہلاک ہو گیا تو دنیا میں تیری عبادت کون کرے گا تو اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ خدا تعالےٰ پر یقین نہیں تھا بلکہ اس رنگ میں دعا کر کے آپ نے خدا تعالےٰ کی غیرت کو برانگیختہ کیا۔ اسیطرح حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے جب صلیب پر لٹکتے وقت کہا کہ ایلی، ایلی لما سبقتنی یعنی اے خدا چاہیئے تو یہ تھا کہ اس مصیبت کے وقت تو میری مدد کے لئے آتا لیکن تو تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے تو آپ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خدا تعالیٰ مصیبت کے وقت واقعہ میں انہیں چھوڑ گیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا دل گھبرا رہا ہے آپ جلدی میری مدد کے لئے آجائیں۔ بس اس رنگ میں جب دعا کی جاتی ہے تو یہ قبولیت دعا پر عدم یقین کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کو غیرت دلانے کے لئے ہوتی ہے ....

غرض متیٰ نصر اللہ میں یہ بتایا ہے کہ مومن دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ الٰہی ابتلاء بڑھ گئے ہیں اب تیری مدد آجائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ سنو خدا کی مدد قریب ہی ہے۔ یعنی جب ابتلاء تمہاری ترقیات کے لئے آئیں تو پھر تمہیں تباہ ہونے کا ڈر نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر تمہارے نفسوں میں خرابی ہے اور تم جانتے ہو کہ خدا تعالےٰ تمہیں سزا دینا چاہتا ہے تو پھر یقیناً تمہارے لئے مدد نہیں آئے گی۔ لیکن اگر تمہارے نفسوں میں کوئی خرابی نہیں، تمہارا ایمان مضبوط ہے تم تقویٰ کی راہ پر قدم مار رہے ہو، وساوس پر تمہیں قابو حاصل ہے تو ابتلاء تمہارے لئے خوف و خطر کا باعث نہیں ہو سکتے۔

درحقیقت ایک سچے مومن پر جب ابتلاء آتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ ابتلاء کے ساتھ ہی خدا تعالےٰ کی مدد بھی آرہی ہے مولانا روم نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ٭ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

یعنی جب کسی قوم پر کوئی آزمائش کا وقت آتا ہے تو خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کے نیچے انعامات کا ایک بہت بڑا خزانہ مخفی ہوتا ہے، پس ابتلا کسی خطرہ کا موجب نہیں ہوتے بلکہ ابتلاء کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اور ترقی عطا کریگا۔ ڈر اور خوف صرف اپنے نفس کی وجہ سے ہوتا ہے پس ہمیشہ اپنے نفس پر غور کرتے رہنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ آیا اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں پیدا ہو گئی جو تباہی کا باعث بن سکے اگر اس میں وساوس پیدا نہیں ہوتے اگر ایمان مضبوط ہے اور دل شکوک اور امتحان کے جذبات سے پُر ہے تو انسان کو خوش ہونا چاہیئے کیونکہ ایسی حالت میں ابتلاء بہت بڑے انعامات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ابتلاء آنے پر دل میں وسواس پیدا ہوں اور ایمان میں کمزوری محسوس ہو تو سمجھ جاؤ کہ یہ ابتلاء ترقی کا باعث نہیں بلکہ ہلاکت کا باعث ہے۔ خوشی صرف اور حقیقی ایمان وہی ہوتا ہے جو ابتلاؤں میں سے گزرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں

کفارہ سے متعلق عیسائی عقیدہ کا تجزیہ

افادیاتی دلیل کا خلاصہ!

(محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے (کینٹب) پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ)

خدا جانے عیسائیوں میں کفارہ کا خیال کہاں سے اور کب پیدا ہوا۔ انبیاء کی تعلیمیں تو سادہ اور عقل اور انصاف اور فطرت کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے اپنے اقوال بھی اسی معیار اور اسی نہج کے ہیں۔ انبیاء سابق بھی یہی سکھاتے رہے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو اس سلسلہ میں مثالی تعلیم ہے۔ خدا تعالےٰ نے انسان کو اپنی تصویر کے طور پر اور اپنے حُسن کو ظاہر کرنے کے لئے بنایا۔ اسی لئے انسان کو جہاں اور بہت کچھ دیا اسے ارادہ اور اختیار بھی دیا تا اس کے کاموں اور اعمال میں قدرت اور آزادی اور انتخاب اور نیک و بد کی تمیز کا ہلکا سا نقشہ بھی نظر آئے۔ آزادی کا لازمی نتیجہ لغزش اور غلطی اور گناہ تھا۔ لیکن لغزش اور غلطی اور گناہ کا علاج پھر اسی آزادی اور اختیار کے صحیح استعمال میں تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں ہدایت اور گمراہی کے دونو راستے انسان کو دکھا دیئے وہاں یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ اپنے پیدا کرنے والے کی محبت کو دل میں جگہ دے گا۔ کمزوریوں اور مشکلات کے وقت اس سے مدد مانگے گا اور غلطی اور گناہ کی صورت میں اس کے عفو کی جستجو کرے گا تو وہ گناہ سے بچ کر پھر ترقی کرنے لگے گا۔ پے درپے تمام انبیاء نے اپنے قول اور عمل سے یہی تعلیم لوگوں کو دی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رہنے والی اور رہتی دنیا تک کام آنے والی تعلیم دی پھر اپنے زندہ جاوید نمونہ سے امت کی شاندار روایات سے اور آخری زمانے میں اپنے عظیم روحانی فرزند مسیح موعود علیہ السلام کی بشارت دے کر دنیا کو ہر طرح محفوظ و مصئون اور مطمئن کر دیا۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں نے ایک افسانہ ایجاد کیا۔ ان کے اوائل کے ماننے والوں نے نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں پولوس وغیرہ نے یورپ میں عیسائی قوم نے اپنے نفوذ کی خاطر یورپ کے مشرکانہ خیالات اور نظریات کو مسیح

علیہ السلام کے واقعہ صلیب میں سمو کر پیش کرنا شروع کر دیا عیسائیت کی ایک بگڑی ہوئی تصویر پھیلنی شروع ہو گئی حتیٰ کہ عیسائیت سے مراد ہی مشرکانہ اور وہمی نظریات ہو گئے ہر چند کہ اعتدال اور توحید کے خیالات بھی عیسائیوں میں قائم رہے اگرچہ ایک اقلیت کے ثبات اور استقلال کی وجہ سے۔ لیکن ہمارے زمانے میں عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی مشرکانہ تصویر دنیا بھر میں پھیلانی شروع کر دی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور آنحضور کی عالمگیر اور ہمیشہ زندہ و سرسبز رہنے والی تعلیم کے متعلق ایک خاص علم و عرفان بخشا نیز خدا اور اس کے رسولؐ کے متعلق ایک خاص قسم کی غیرت بھی اپنی جناب سے عطا کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیت کے ان عقائد کو بنی نوع انسان کی علمی و اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے سخت مہلک ثابت کیا۔ ان کے بجائے اسلامی تعلیمات کو اس زمانہ کے لئے اکسیر خیال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی تائید سے عیسائی مناددں کو للکارا۔

سراج الدین عیسائی ایک مسلمان تھا جو ایک دفعہ عیسائی ہو کر پھر دوبارہ مسلمان ہو گیا لیکن پھر عیسائیوں کے نرغے میں پھنس گیا۔ اس نے عیسائیت کا وکیل بن کر چار سوال حضور علیہ السلام کے پاس بھیجے جن سے وہ عیسائی عقائد اور نظریات کی اسلامی عقائد اور نظریات پر فوقیت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ سراج الدین کا پہلا سوال یہ تھا کہ عیسائی تعلیم میں یہ ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب پر موت قبول کی اور اس طرح بنی نوع انسان کے گناہوں کے لئے کفارہ کر گئے۔ کیا اسلام میں بھی ایسی قربانی اور بنی نوع انسان کے لئے اس درجہ کی محبت کا نشان ملتا ہے۔؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جواب دیا کہ اسلام میں ایسی بے معنی اور بے نتیجہ کوئی بات نہیں بلکہ اسلام میں وہی تعلیم ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کے ذریعہ خدا تعالےٰ دیتا رہا ہے اور جو کہ عین فطرت اور عقل اور انسان کی اخلاقی اور روحانی امنگوں کو پورا کرنے والی ہے اور وہ یہ کہ انسان خدا تعالیٰ کی محبت کو جذب کرے اس سے دعائیں کرے اور اپنی غلطیوں اور لغزشوں کیلئے معافی مانگتا رہے۔ اس کے مقابلہ میں عیسائی نظریہ اوّل تو عقل اور انصاف کے خلاف ہے کیونکہ یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کی عقل ہے کہ گناہ تو زید اور بکر کریں اور سزا عمر کو ملے اور عمر کی سزا سے سمجھ لیا جائے کہ زید اور بکر کو سزا ہو گئی اور اس سزا سے ان کی اصلاح بھی ہو گئی دوم عیسائی نظریہ میں یہ تسلیم کیا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنے مشن میں ناکام اور خدا کی محبت اور خدا کی رضا سے رد کئے گئے ایک شخص کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ صلیبی موت تورات اور خود عیسائی اقوال کے مطابق لعنتی موت ہے۔ اور کیوں لعنتی نہ ہو۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ صلیب پر موت پانے سے حضرت مسیحؑ نہیں بلکہ آپ کے دشمن کامیاب ہو گئے اور خدا کی نہیں بلکہ شیطان کی فتح ہوئی۔ اور جس کام کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کھڑے کئے گئے اور جس کے لئے وہ کھڑے ہوئے یعنی بنی اسرائیل کی کل قوم کی اصلاح اور ہدایت وہ دھرے کا دھرا رہ گیا خدا کے ایک راستباز اور

پیارے انسان کے متعلق ایسا خیال نہایت مکروہ اور گندا خیال ہے۔ سوم یہ خیال بالکل الوکھا ہے سچائی کی تائید ہر طرف سے ہوتی ہے۔ ایک نبی کی بات کی تائید بھی باقی انبیاء کر رہے ہوتے ہیں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام تو اپنے سے پہلے سلسلہ انبیاء ابراہیم و موسیٰ و دیگر ا۔ اسیلی انبیاء علیہم السلام کا احترام کرنے والے اور ان کے ماننے والے تھے، عیسائی نظریہ کی تائید تورات میں کہاں ہے؟ ایسا عجیب و غریب نظریہ جس کی تائید عیسائیوں کے اپنے بزرگ انبیاء کی طرف سے نہیں ہوتی جو عقل اور انصاف کے بھی خلاف ہے اور جس سے خود مسیح علیہ السلام (نعوذ باللہ) ناکام اور نامراد بنتے ہیں، ضرور شیطانی نظریہ ہے۔ ان دلائل کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ اتنا ظلم عقل اور انصاف اور قدیم تعلیموں اور ہمارے روحانی کانشنس پر کر چکنے کے بعد اگر یہی ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی اس فرضی اور افسانوی قربانی کے بعد کم از کم ان کے ماننے والوں میں گناہوں کا خاتمہ ہو جاتا اور ان کے ہی گناہ بخشے جاتے تا جو شخص ایک دفعہ عیسائی ہو جاتا پھر ایسا محفوظ ہو جاتا کہ دوبارہ کسی اور عقیدہ میں داخل ہونے کا نام نہ لیتا تو تب بھی کوئی بات ہوتی۔ یہ دلیل عملی اور افادی یا افادیاتی دلیل کہلا سکتی ہے۔ پھر بحث میں کچھ عقلی، کچھ علمی کچھ اخلاقی دلائل ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ افادیاتی دلائل بھی ہوتے ہیں، سائنس میں بھی افادیاتی دلائل ہوتے ہیں فلسفہ میں بھی اور روزمرہ زندگی میں تو افادیاتی دلائل کا خاص مقام ہے۔ ہر شخص یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ جس خیال یا نظریہ کو ایک اہم سچائی کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے کیا اس کے وہ اہم نتائج بھی مترتب ہوتے ہیں جن کی وہ نشاندہی کرتا ہے اس لئے افادیاتی دلائل کا ایک اصطلاحی نام نتائجی یا نتائجیاتی دلیل بھی ہے یعنی کسی مزعومہ سچائی یا نظریہ کو اس کے نتائج کے لحاظ سے پرکھنا اور جانچنا۔ سو نتائج اور افادہ کے لحاظ سے کفارہ کا خیال نہایت بودا ثابت ہوتا ہے۔

جب عیسائی حضرات سے پوچھا جاتا ہے کہ اگر کفارے کے بغیر گناہ سے نجات نہیں تو بے شمار فرزندان آدم جن میں انبیاء قبل از مسیح بھی شامل ہیں ان کی نجات کیسے ہوئی۔ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی اسی کفارے سے ہوئی۔ لیکن اس کے بعد وہ خود ہی ان بزرگ انبیاء کے گناہ گنوانا شروع کر دیتے ہیں پھر کفارے نے کیا کیا!

ماسوا اس کے دیکھنے والی بات یہ ہے کہ گناہ سے بچاؤ اور حفاظت کن اسباب اور حالات اور شرائط کے ماتحت ہوتی ہے۔ تاریخ سے، عام مشاہدے سے، اور مدنی علوم سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بالکل اور ہے اور کفارے کے نظریہ کے رو سے جو کچھ نفس گناہ کی کیفیات دنیا میں نظر آنی چاہئیں وہ بالکل اور ہے جو کچھ علم اور مشاہدے اور تجربے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں نیک اور بد دونو قسم کے لوگ ہمیشہ ہی موجود ہوتے ہیں اور ہمیشہ ہی موجود رہیں گے۔ کیونکہ انسانی حریت کا یہی تقاضا اور یہی نتیجہ ہے۔ ساری قومیں ایسی ہیں کہ ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ اور اخلاقی طاقتیں بھی سب قوموں کو برابر ملی ہیں۔ ان کے نیک و بد استعمال سے قومیں اور افراد، نیک یا بد بن جاتے ہیں۔ مذہبی تعلیمیں ان بنیادی طاقتوں میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتیں اور نہ کر سکتی ہیں۔ خالق فطرت اور قسام ازل نے کچھ ایسا ہی کر رکھا ہے کہ انسانی افراد

اور انسانی گروہ اس لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہیں خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمانیت عامہ کا یہی تقاضا ہے۔ عیسائی نظریہ کے مطابق یہ مساوات ختم ہو جانی چاہیئے۔ وہ لوگ جو حضرت مسیح کی قربانی (ہمارے نزدیک فرضی قربانی) پر ایمان لے آئے انہیں نیک اور باقیوں کو بد ہو جانا چاہیئے۔ عیسائی قومیں اور عیسائی ممالک میں نیکی ہی نیکی نظر آنی چاہیئے۔ اور دوسری قوموں میں بدی ہی بدی۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے آج کل ظلموں اور بد اخلاقیوں اور قسم قسم کی بے حیائیوں کی ایجاد کا کام عیسائی ممالک اور عیسائی قومیں کر رہی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی نظریہ محض وہم یا ایک قومی عقیدہ اور دعوےٰ بن چکا ہے جس سے انسانیت اور انسانی ضروریات کو کچھ بھی فائدہ نہیں۔ طبعی اور فطری اور عقلی لحاظ سے جو کچھ ہونا چاہیئے وہ یہی ہے کہ دنیا میں نیک و بد افراد بھی ہوں اور نیک و بد قومیں بھی ہوں۔ چنانچہ یہی نظارہ ہمیں نظر آتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیکی بدی کی تقسیم اس کا کہیں زیادہ اور کہیں کم ہونا بعض طبعی اور فطری قوانین کے ماتحت ہے نہ کسی ورثہ کے گناہ کے ماتحت اور نہ کسی قربانی یا کفارہ کے ماتحت۔ ہاں افراد میں بھی اور قوموں میں بھی نیکی بدی کے لحاظ سے فرق ضرور نظر آتا ہے اور یہ فرق مذہبی تعلیموں اور ان کی عملی تاثیروں اور ہر مذہب میں جو عملی نمونے پیش ہوتے ہیں ان کی وجہ سے ہے۔ مذہبی تعلیم کا یہ کام ہے کہ بتائے کہ ہر انسان اپنے طبعی ملکات کو کہاں اور کس حد تک اور کس صورت میں استعمال کرے مذہبی تعلیموں کے لئے یہ میدان کھلا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ میدان بڑا وسیع ہے اور بڑا کام ہے جو مذہبی تعلیمیں کر سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو اسلامی تعلیم اور آنحضرت صلعم کا نمونہ سب پر بھاری ہیں۔ سب اسلام اور بانی اسلام کے احسان کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ اسلام ہی میں نیکی بدی کی صحیح تعریف ملتی ہے۔ اسلام ہی میں وہ حکمتیں بیان ہوئی ہیں جو شریعت کے چھوٹے بڑے احکام میں مضمر ہیں۔ اسلام ہی میں وہ تاثیریں اور برکتیں ملتی ہیں جن سے انسان عملاً نیک بن سکتے ہیں اور جن سے قومیں نیکی کے معیار سے بلند و بلند تر ہو سکتی ہیں۔ بے شک ہے دوسرے لوگ بھی ایسے دعوے کرتے ہیں لیکن دعووں کا کوئی معقول امتحان ہونا چاہیئے اور معقول امتحان یہ ہے کہ بانی اسلام کی عملی زندگی اور حضور علیہ السلام کے عملی نمونہ کا مقابلہ دوسرے بانیان مذاہب کی عملی زندگیوں اور ان کے عملی نمونہ سے کر لیا جائے۔ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کا مقابلہ دوسرے پیشوایان مذاہب کے صحابہ سے کر لیا جائے۔ بانی اسلام کے تابعین کا مقابلہ دوسرے پیشوایان مذاہب کے تابعین سے کر لیا جائے مسلمان بادشاہوں کا مقابلہ دوسری قوموں کے بادشاہوں سے کر لیا جائے۔ مسلمان جرنیلوں اور فاتحین۔ مسلمان مفکرین فلسفیوں اہل فلسفہ اور اہل سائنس کا مقابلہ دوسرے مذاہب کے جرنیلوں، فاتحین، اہل سائنس اور اہل قلم سے کر لیا جائے چونکہ ہمارے زمانے میں تمام سچائیاں ہزار قسم کے وسوسوں اور غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کے پردوں میں پڑی اوجھل ہو گئی ہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ اس زمانے میں مذہب مذہب کا مقابلہ خوارق کے ذریعہ ہو گا تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مقبول تعلیم کونسی ہے اور خدا کے مقبول بندے کون ہیں۔ حضورؑ نے اعلان فرمایا کہ اس زمانے میں خدا کی تائیدیں اور خدا کا پیار اور خدا کے نشان حضور کے حق میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس امتیاز کا سہرا اسلام اور

بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کتاب اسلام یعنی قرآن کے سر پر ہے۔ آج خدا بولتا ہے تو ایک مسلمان کے دل میں اور نشان ظاہر کرتا ہے تو ایک مسلمان کے ہاتھ پر۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام تعلیموں میں اسلامی تعلیم ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول تعلیم ہے۔

سب سے بڑا گناہ اور گستاخی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

عیسائیوں نے گناہ سے پاک ہونے کا ایک پہلو سوچا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لو اور پھر یقین کر لو کہ اس نے ہمارے گناہ اٹھا لئے اور وہ صلیب کے ذریعہ لعنتی ہوا۔ نعوذباللہ من ذالک۔ اب غور کرو کہ حصول نجات کو اس طریق سے کیا تعلق گناہوں سے بچانے کے لئے ایک اور بڑا گناہ تجویز کیا کہ انسان کو خدا بنایا گیا اِس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ ہو سکتا ہے؟ پھر خدا بنا کر اسے معاً ملعون بھی قرار دیا۔ اس سے بڑھ کر گستاخی اور بے ادبی اللہ تعالیٰ کی کیا ہو گی؟ .... انہوں نے گناہ کے دور کرنے کا علاج گناہ تجویز کیا ہے جو کسی حالت اور صورت میں مناسب نہیں۔ یہ لوگ اپنے نادان دوست ہیں اور ان کی مثال اس بندر کی سی ہے جس نے اپنے آقا کا خون کر دیا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لئے اور گناہوں سے نجات پانے کے لئے ایک ایسا گناہ تجویز کیا جو کسی صورت میں بخشا نہ جاوے۔ یعنی شرک کیا اور عاجز انسان کو خدا بنا لیا۔"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶)

وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ

قبولیتِ دُعا کے سات سُنہری اصول

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سورۃ فاتحہ کے بہت سے فضائل مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ذیل میں درج کی جاتی ہے نسائی میں ابی بن کعب سے روایت ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فِی التَّوْرَاۃِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ مِثْلَ اُمِّ الْقُرْاٰنِ وَھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہ تو تورات میں اور نہ ہی انجیل میں کوئی ایسی سورۃ اتاری ہے جیسی کہ ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ ہے۔ اس کا ایک نام السبع المثانی بھی ہے۔ اسی تسلسل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:-

وَھِیَ مَقْسُوْمَۃٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ

سورۃ فاتحہ میرے بندے اور میرے درمیان بانٹ دی گئی ہے۔ اور اس کے ذریعہ میرے بندے جو دعا مجھ سے کریں گے۔ وہ ضرور قبول کی جائے گی (ایسے رنگ میں جو خدا کے نزدیک اس بندے کے لئے مفید ہو) وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ۔ یعنی سورہ فاتحہ کے ذریعہ جو کچھ بندہ مجھ سے مانگے میں اسے ضرور دوں گا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر جو بھی دعا کی جائے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں قبولیت دعا کے لئے جو ذرائع اور اصول متعین کئے گئے ہیں۔ انہیں اختیار کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دعا قبول کر لیتا ہے وہ اصول اور ذرائع حسب ذیل ہیں:-

۱- بسم اللہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس مقصد کے حصول کے لئے دعا کی جائے وہ نیک ہو یہ نہ ہو کہ ایک انسان کسی کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر دعا کرے کہ یا اللہ اس مقصد کے حصول میں مجھے کامیاب کر دے تو یہ ضرور قبول ہو جائے گی۔ خدا کا نام لے کر اس سے مقصد براری کے لئے مدد چاہتے ہوئے جو دعا کی جائے گی وہ کسی ایسے نیک امر کے متعلق ہی ہوگی جو خدا تعالیٰ کو پسند ہو۔ اور جس میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بندے کے شامل حال ہو سکتی ہو۔ بعض لوگ اس اصول کو مدنظر نہیں رکھتے اور پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔

۲- الحمد للہ رب العالمین میں یہ بتایا گیا ہے کہ دعا ایسی ہونی چاہیئے جس میں دوسرے بندوں کا فائدہ بھی ملحوظ ہو یا کم از کم ان کا نقصان نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا رب ہے۔ اس سے کسی ایسی بات کے لئے دعا نہیں کرنی چاہیئے جو دوسرے بنی نوع انسان اور خدا تعالیٰ کی دیگر مخلوقات کے لئے نقصان دِہ ہو ورنہ اس دعا کا قبول کرنا خدا تعالیٰ کی صفت رب العالمین کے خلاف ہوگا۔ دعا ایسی ہی بات کے لئے ہونی چاہیئے جس سے اللہ تعالیٰ کی حمد ثابت ہوتی ہو نہ کہ اس سے اس پر کوئی الزام عاید ہوتا ہو۔

۳- الرحمٰن ایسی دعا کرنی چاہیئے جس میں اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے انتہا رحمت کو حرکت میں لانے کی کوشش کی گئی ہو۔

۴- الرحیم دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت بھی ملحوظ رہے اور کسی ایسی نیک بات کے لئے دعا کی جائے جس کے اثرات و فیوض نیک لوگوں کے لئے قیامت تک جاری رہیں۔

۵- مالک یوم الدین دعا کے ساتھ ساتھ ظاہری عوامل و اسباب بھی ملحوظ رہیں۔ کسی امر کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو ذرائع متعین فرمائے ہیں انہیں بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ ایک طالب علم یوں تو کتاب کو ہاتھ تک نہ لگائے مگر رات دن سورۃ فاتحہ پڑھ کر یہ دعا کرتا رہے کہ اے اللہ مجھے فرسٹ ڈویژن میں کامیاب کر دے یا ایک شخص جانا تو کراچی چاہتا ہو مگر کراچی جانے والی گاڑی پر سوار ہونے کی بجائے پشاور جانے والی گاڑی پر سوار ہو جائے اور پھر یہ دعا شروع کر دے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کراچی پہنچا دے تو ایسی دعا بےسود ثابت ہوگی۔ جہاں اسلام نے ایک طرف دعا پر زور دیا ہے وہاں اس امر کی بھی تاکید کی ہے کہ مقصد کے حصول کے لئے اس کے ظاہری اسباب و ذرائع بھی اختیار کئے جائیں۔ ہاں ان ذرائع پر اعتماد اور بھروسہ نہ ہو کہ ان کے اختیار کرنے سے کامیابی یقینی ہے۔ اس لئے کہ انسانی کوششوں کو مثمر ثمرات بنانا بھی خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک طالب علم سال بھر محنت کرتا ہے مگر امتحان کے قریب آ کر کسی حادثہ کا شکار ہو جائے اور امتحان میں شریک ہی نہ ہو سکے۔ پس ایک انسان کو ظاہری اسباب و ذرائع سے کام لیتے ہوئے بھی ان پر تکیہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ

دعائیں کرنی چاہئیں کہ تو ہی محض اپنے فضل سے ان ناچیز کوششوں کے بہترین نتائج پیدا کر کیونکہ تو مالک یوم الدین ہے۔

۶- ایاك نعبد دعا کرنے والے انسان کو اللہ تعالیٰ سے عبودیت کا کامل تعلق ہو۔ اور وہ اسی کا بندہ ہو۔ اسے اس بات کا احساس ہو کہ قادر و توانا خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے خزانے بھرپور ہیں۔

۷- ایاك نستعین۔ دعا کرنے والا انسان خدا ہی کا ہو چکا ہو اور بلا شرکت غیرے اس پر کامل توکل ہو غیر اللہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ خواہ کچھ ہو مانگوں گا تو خدا ہی سے مانگوں گا۔ کسی انسان کے سامنے دست دراز نہ کروں گا۔ اس لئے کہ خدا کے فضلوں کے بغیر ایک انسان کسی کو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ ان سات اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جو دعا کی جائے گی اس کے متعلق ولعبدی ما سال کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس کی مقبولیت کو یقینی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان اصول کو اپناتے ہوئے اور خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھتے ہوئے جب ایک انسان دعا کرتا ہے اور اپنے نیک مقاصد کو سامنے رکھ کر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ کے الفاظ میں خلوص دل کے ساتھ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عاجزانہ دعا کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے اسے دے دیتا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالك۔

٭

ایک ثابت شدہ صداقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب صبر اور صدق سے دعا انتہا کو پہنچے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ دعا، صدقہ، اور خیرات سے عذاب کا ٹلنا ایک ایسی ثابت شدہ صداقت ہے جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا اتفاق ہے اور کروڑہا صلحاء، اتقیاء، اور اولیاء اللہ کے ذاتی تجربے اس امر پر گواہ ہیں"

(ملفوظات جلد نہم ص۳)

بعث بعد الموت یا اُخروی زندگی

محترم جناب مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا

(۴)

(اس مضمون کی قبل ازیں تین قسطیں علی الترتیب ستمبر ۶۱ء اکتوبر ۶۱ء اور اگست ۶۵ء کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہیں پچھلی قسط کے آخر میں یہ امر زیر بحث تھا کہ روح کیا چیز ہے اور جسم اور روح کا باہمی کیا تعلق ہے، زیر نظر قسط اسی کے تسلسل میں ہے۔)

یہ تجلّیٔ الٰہی سے روح کا معرضِ وجود میں آنا اسی طرح ہوتا ہے جس طرح شیشے یا آبنوس کے rod کو ریشم کے ساتھ رگڑنے سے ایک جوہر ظاہر ہو جاتا ہے جس کو ہم بجلی کہتے ہیں۔ وہ کسی پوشیدہ صورت میں پہلے سے ان میں موجود ہوتی ہے لیکن رگڑ سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بالکل الگ قسم کے خواص ظاہر کرتی ہے جو نہ ہی شیشے یا آبنوس میں ہوتے ہیں اور نہ ہی ریشم کے کپڑے میں۔ اس پیدا شدہ بجلی کو الگ طور پر محفوظ کیا جا سکتا اور اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ شیشہ۔ آبنوس اور ریشم تو بیکار ہو جاتے ہیں اور اپنے خواص چھوڑ دیتے ہیں لیکن بجلی بدستور قائم رہتی ہے۔

انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ ایک ایسی نئی طاقت والی چیز پیدا فرماتا ہے جو جسم سے بالکل الگ خواص رکھتی ہے اور جسم کو قائم رکھنے اور اسے نشو و نما دینے اور اس سے کام لینے کا موجب بنتی ہے۔ وہ اپنی طاقتوں میں جسم سے بہت زیادہ وسعت رکھتی ہے جس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب دماغ جسم کو احکام دینے بند کر دیتا ہے اور سو جاتا ہے۔ علم النفس والے دماغ کے دو حصے بتاتے ہیں ایک شعوری CONSCIOUS MIND اور ایک تحت الشعوری۔ (SUB CONSCIOUS MIND) شعوری حصہ وہ ہے جو انسان کے جاگنے کی حالت میں کام کرتا ہے۔ تحت الشعوری وہ ہے جو انسان کے سونے یا بے ہوش ہو جانے کے بعد کام کرتا ہے جب کہ شعوری حصہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ تحت الشعوری حصہ کے متعلق وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ وقت اور فاصلہ کی حد بندیوں سے آزاد ہے اور طاقتوں میں بیشہ

وسعت رکھتا ہے۔ درحقیقت یہی روح ہے جس کو وہ تحت الشعوری حصہ دماغ کہتے ہیں۔

امام غزالی اور بعض دیگر حکمائے اسلام نے بھی دو چیزیں بتائی ہیں۔ روح حیوانی جو انسان کو زندہ رکھتی ہے اور روحِ انسانی (یا نفس ناطقہ یا عقل) جو شعور پیدا کرتی ہے۔ اسی سے انسان کی حیوانات سے تمیز ہوتی ہے نیند میں اسی کو قبض کیا جاتا ہے۔ انسانی اعمال کا اسی پر مدار ہے۔ موت میں یہ دونوں (یعنی روح حیوانی اور روح انسانی) واپس لے لی جاتی ہیں۔ اگر روح انسانی کو بھی مستقل طور پر واپس لے لیا جائے تو بھی بالآخر موت ہی واقع ہو جاتی ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (الزمر ۴۳)

میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت روح انسانی کو (یعنی عقل و تمیز کو جو اعمال کی اصل محرک ہے) اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اور جس نے مرنا نہیں ہوتا اس کی روح انسانی نیند میں لے لیتا ہے پس جس پر موت مقدر ہوتی ہے اس کی روح روک لیتا ہے اور دوسرے کی اس کے مقررہ وقت تک کے لئے واپس فرما دیتا ہے۔

ابن قیم نے روح کے جسم میں پیدا ہونے کے ۱۱۶ دلائل دیئے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد وہ دائمی طور پر رہتی ہے اگرچہ جسم ختم ہو جاتا ہے (کتاب الروح) بائیبل بھی یہی کہتی ہے کہ روح دائمی ہے۔ بائیبل کے لٹریچر میں اس قسم کے لئے روح اور نفس دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ افلاطون نے روح تین قسم کی بتائی ہے۔ عقلی۔ روحانی اور خواہشاتی۔ عقلی حصہ سر میں ہوتا ہے، روحانی سینہ میں اور خواہشاتی حصہ پیٹ میں۔ (جیوئش انسائیکلوپیڈیا) یہودی فلاسفر سعدیہ کہتا ہے کہ روح کے تین حصے نہیں بلکہ ایک ہی روح کی مختلف صفات ہیں۔ (روح کا مرکز دل ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ روح بغیر جسم کے نہیں رہتی جس طرح آگ بغیر ایندھن کے نہیں ہو سکتی۔ (جیوئش انسائیکلوپیڈیا) افلاطون کہتا ہے کہ روحیں پہلے پیدا کی گئیں اور پھر جسموں میں ڈالی گئیں۔ لیکن اس کے برعکس سعدیہ یہ کہتا ہے کہ روح بغیر جسم کے رہ ہی نہیں سکتی۔ (جیوئش انسائیکلوپیڈیا)

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی "میں" اس کی روح ہے۔ وہی اس کی اصل حاکم ہے "میں ایسا کروں گا" "میں ایسا نہیں کروں گا" روح ہی کے احکامات ہیں جو وہ جسم کو دیتی ہے گویا "میں" کا احساس روح کا تعین کرتا ہے۔

روح کی پیدائش بھی انسانی جسم میں ہوتی ہے۔ اور اس کی نشو و نما بھی جسم کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے،

بچپن میں روح بھی بچہ ہوتی ہے اور جوانی میں روح بھی جوان ہوتی ہے۔ روح اس کے بعد بھی اپنی صفات میں ترقی ہی کرتی رہتی ہے اگرچہ جسم کمزور ہو جائے مثلاً محبت، نفرت، قناعت، حرص، ہمدردی، ظلم وغیرہ روح کی صفات ہیں۔ ان صفات میں وہ بڑھاپے میں بھی اپنی ترقی جاری رکھتی ہے۔ حافظہ پر البتہ اثر پڑتا ہے۔ لیکن وہ دماغ کا خاصہ ہے اور دماغ باقی اعضاء کی طرح بڑھاپے کے ساتھ کمزور ہو جاتا ہے

موت کے بعد روح بھی جسم کی طرح ایک گڑھے میں رکھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ
صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ
بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ (المؤمنون ۱۰۰، ۱۰۱)

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ میں نیک کام کر سکوں جو میں نے چھوڑ دیئے۔ ہرگز نہیں۔ یہ صرف ایک بات ہوگی جو وہ کہے گا اور ان کے پیچھے ایک برزخ ہے اس دن تک کہ وہ کھڑے کئے جائیں گے۔ یعنی قیامت تک وہ برزخ میں رہیں گے۔

برزخ کے معنے دو چیزوں کے درمیان روک اور حد کے ہیں۔ جیسا کہ سورہ رحمان میں آتا ہے بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ یعنی ان دونوں (سمندروں) کے درمیان ایک روک ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر چڑھتے ہیں۔

برزخ یا قبر کا زمانہ روح کے لئے وہ زمانہ ہے جس میں اسے قیامت کے برپا ہونے تک رکھا جائے گا۔ اور اس کو اخروی زندگی کے بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ یہ بعینہٖ اسیطرح ہے جس طرح انسان پیدائش سے قبل ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے تا وہ اس دنیا کی زندگی میں آکر اسے برداشت کرنے کے قابل ہو سکے۔ اگر اس کو حمل سے دو تین ماہ بعد پیٹ سے باہر نکال دیا جائے تو وہ محض گوشت کا لوتھڑا ہوگا جس میں اس دنیا کی فضا کے مطابق حسّیں نہیں ہوں گی۔ چار ماہ اور کچھ دن بعد وہ پیٹ میں زندہ ہو جاتا ہے لیکن تب بھی باہر نکل کر نشوونما نہیں پا سکتا بلکہ اتنی زندگی بھی فوراً ختم ہو جائے گی۔ اسیطرح اس دنیا کی زندگی کے بعد جب اسے دوسری زندگی دی جاتی ہے تو وہ کچھ عرصہ برزخ میں رکھا جاتا ہے تا اس کی حسّیں اخروی زندگی کی نعمتیں یا عذاب برداشت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ وہاں وہ حشر کے دن کے لئے اور اس کے بعد کی زندگی کے لئے جو ثواب یا عذاب کی زندگی ہوگی اسی طور سے تیار کیا جائے گا جس طرح پیدائش سے قبل بچہ تیار کیا جاتا ہے۔ گویا اس برزخ کی زندگی میں جو بڑے دن کے لئے

تیاری کی زندگی ہے اس کی نعمتوں کی حسّوں کو قدر مناسب پر لانے کے لئے اس پر آہستہ آہستہ جنّت کی کھڑکی کھولی جائے گی جس میں سے نعمتوں کے اثرات اسے پہنچنے شروع ہو جائیں گے اور اگر وہ عذاب کا مستحق ہو چکا ہے تو اس کی حسّوں کو عذاب کے مناسب حال لانے کے لئے دوزخ کی کھڑکی اس کی طرف کھولی جائے گی تاکہ اسے عذاب کی تھوڑی تھوڑی لپٹیں آئیں اور وہ ایک وقت کے بعد عذاب کو پوری شدّت کے ساتھ برداشت کرنے کے قابل ہو سکے۔

اس حقیقت کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں آتا ہے

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (مومن ۴۷)

یعنی وہ صبح اور شام آگ کے سامنے کئے جائیں گے اور جب قیامت کا دن آجائے گا تو اس وقت حکم ہوگا کہ اب آل فرعون کو نہایت شدید عذاب میں پورے طور پر داخل کر دو۔ یعنی اس سے قبل وہ صرف آگ کے سامنے لائے جاتے تھے۔ اور پھر پورے طور پر آگ میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ یہاں ذکر آل فرعون کا کیا گیا ہے لیکن سب دوزخیوں کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔ کیونکہ یہاں اصول بیان کیا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(بخاری کتاب الجنائز۔)

یعنی تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح اور شام اس کا ٹھکانا اسے بتلایا جاتا ہے اگر وہ بہشتی ہے تو بہشت والوں میں، اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں۔ پھر کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے۔ ٹھکانا بتلانے سے یہاں مراد یہی ہے کہ تھوڑا تھوڑا مزا ان کو چکھایا جاتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ برزخ یا قبر کا زمانہ ہر ایک کے لئے ہوگا۔ خواہ اس کا جسم دفن کیا گیا ہو یا جلایا گیا ہو یا پانی میں غرق ہوا ہو یا کسی اور جگہ ہو کیونکہ موجودہ جسم اس ثواب یا عذاب سے حصہ نہیں لے گا بلکہ روح کو اپنے اعمال کے مطابق ایک اور جسم دیا جائے گا۔ کیونکہ روح بغیر جسم کے نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی کام کر سکتی ہے۔ وہ نیا جسم ایک رنگ میں اعمالِ انسانی کا بنا ہوا ہوگا۔ یہاں بھی اعمال انسانی اس کے اندر ایک الگ وجود بنا دیتے ہیں جس کو انسان کی شخصیت یا PERSONALITY کہا جاتا ہے۔ نیک اعمال ایک نورانی شخصیت

انسان کو عطا کرتے ہیں اور برے اعمال ایک تاریک یا منحوس شخصیت اخروی زندگی میں یہی اعمال پورا تمثل اختیار کر کے روح کے لئے جسم بن جائیں گے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ روح ان اعمال کے مطابق بمنزلہ جسم ہو جائے گی اور اس کے اندر ایک اور لطیف روح پیدا ہو جائے گی جو اخروی زندگی میں رہنے کے قابل ہو گی اعمال کس طرح جسم کی شکل اختیار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ انسان کا موجودہ جسم بھی ایک تصویر سے شروع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ رحم مادر میں کھینچتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (آل عمران ۱) یعنی وہی ہے جو رحموں میں تمہاری تصویر بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ غالب اور حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ ایک نہایت باریک ذرہ میں جو ایک قطرہ میں لاکھوں لاکھ ہوتے ہیں۔ ایک تصویر انسانی کھینچ دیتا ہے اور اس کے مطابق وہ ذرہ انسانی صورت اختیار کرتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ انسان بھی تصویر لے کر اس کو کاغذ وغیرہ پر ایک مستقل شکل دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تصویر بنا کر اس میں جان ڈال دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن کریم نے بھی یہی حقیقت بیان کی ہے کہ انسان بہشتی یا دوزخی زندگی کو اس دنیا سے لے کر اگلے جہان میں جاتا ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں بہت جگہوں پر بیان ہوا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل ۲)

یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا بلکہ بالکل راستہ نہ پائے گا۔ یہاں اندھا سے مراد روحانی اندھا ہے۔ ورنہ یہ مراد نہیں کہ جس کی یہاں آنکھیں نہیں ہوں گی آخرت میں بھی وہ آنکھوں سے محروم رہے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو سخت ظلم ہوتا اور پھر جنت میں داخل ہونے والے تو سب نقائص سے پاک کر دیئے جائیں گے۔ وہ اندھے کیسے رہ سکیں گے۔ ہاں جو معرفت الٰہی سے نابینا رہا وہ اس نابینائی کے اندھیرے میں ڈالا جائے گا۔

اس مضمون کو اور واضح کرنے کے لئے ایک اور جگہ فرماتا ہے :-

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ۝ (طٰہٰ رکوع ۷)

یعنی جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے تنگ روزی ہوگی (یعنی خواہ کس قدر بھی اسے دنیوی کشائش حاصل ہو اس کا دل مطمئن نہیں ہوگا اور تکلیف اور تنگی محسوس کرے گا) اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے (یعنی روحانی نابینائی ہوگی) اور وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو آنکھیں رکھتا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ اسی طرح سے تیرے پاس میرے نشان آئے تھے لیکن تو نے ان کو پس پشت ڈال دیا تھا اس لئے آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا (اور روشنی عطا نہیں کی جائے گی جس سے تو خدائی تجلیات کا مشاہدہ کر سکے)

ایک جگہ فرماتا ہے

وَ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ

لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (آل عمران رکوع ۱۹)

ترجمہ:- اور ہم کہیں گے کہ تم جلن کا عذاب چکھو۔ یہ سب تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ گویا اعمال انسانی عذاب کی صورت اختیار کریں گے۔

اسی طرح فرماتا ہے:-

لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ذٰلِكَ بِمَا

قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (الحج رکوع ۱)

ترجمہ: اس کے لئے دنیا میں ذلّت ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے سخت جلانے والا عذاب چکھائیں گے یہ تیرے اعمال کی وجہ سے ہوگا اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

پھر فرماتا ہے:-

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۝ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ

الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۴-۱۵)

یعنی ہر انسان کے اعمال ہم نے اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے ہیں۔ اور ہم قیامت کے دن اس کے اعمال کی ایک کتاب نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں گے جسے وہ بالکل کھلی ہوئی پائے گا اور اسے کہا جائے گا اپنی کتاب کو پڑھ لے۔ آج تیرا نفس ہی تیرا حساب لینے کے لئے کافی ہے لغت کے رو سے طائر کے معنے عمل کے بھی ہیں (اقرب الموارد) امام راغب کہتے ہیں:-

اَلْزَمْنٰهُ طَائِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ اِلٰى عَمَلِهِ الَّذِيْ طَارَ عَنْهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ (مفردات راغب)

یعنی اس سے مراد اس کا عمل ہے جو اس سے اڑ جاتا ہے خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ یعنی کرتے وقت وہ عمل یوں معلوم ہوتا ہے کہ اڑ کر غائب ہو گیا ہے لیکن دراصل وہ انسان کی گردن کو چمٹ جاتا ہے اور اچھا یا بُرا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

غرضیکہ اس مضمون کی قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں کہ جنت یا دوزخ انسانی اعمال کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتا ہے اور انسان اس کو یہیں سے لے کر جاتا ہے۔ گویا اس کے اعمال ہی اس کو وہ جسم دیں گے جو جنت میں جانے کے قابل ہو گا یا وہ دیں گے جو دوزخ میں جانے کے قابل ہو گا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی خاکی جسم موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا یہ خیال درست نہیں ہے نہ ہی آخرت کی زندگی اس زندگی جیسی مادی ہے اور نہ ہی یہ جسم وہاں کام دے سکتا ہے۔ جنت میں داخل ہونے والوں کا جسم سرتا پا نقائص اور عیوب سے پاک ہو گا۔ اور اس پر زمانہ کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ اسی وجہ سے اس پر موت بھی نہیں آئے گی۔ دوزخ میں جانے والوں کا جسم سرتا پا عیب دار ہو گا۔ ایک نیک سے نیک انسان کا بھی موجودہ جسم ہر طرح سے زوال پذیر ہے اور نہ بیماری سے نہ کمزوری سے اور نہ موت سے بچا ہوا ہے۔ یہ جسم وہاں کیا کرے گا۔ ویسے بھی اگر وہ دنیا مادی نہیں تو اس میں مادی جسم لذات کیسے حاصل کر سکے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اسی کو زوال پذیر ہونے سے بچا لے گا۔ اور اس کے نقائص کو دور کر دے گا۔ اور اسی سے انسان وہاں کی لذتیں حاصل کرنے کے قابل ہو جائے گا تو ان تغیرات کی وجہ سے ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ وہ ایک نیا جسم ہو گا جو اس سے بہت زیادہ لطیف اور اعلیٰ درجہ کا ہو گا۔ اور وہاں کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کے قابل۔ البتہ انسان کی روح اس کی شناخت (INDENTITY) کو قائم رکھے گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ وَجَعَلَ لَھُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْہِ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا ؀

(بنی اسرائیل ۱۰۰)

ترجمہ۔ کیا وہ ابھی تک سمجھ نہیں سکے کہ وہ ہستی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان کی مثل پیدا کرے کیونکہ ان کے لئے تو اس نے موت کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا پھر بھی ان ظالموں نے ناشکری کا راستہ ہی اختیار کیا ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرتے ہوئے اپنی طاقتوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے اور اپنے آپ کو دوزخ کے قابل

بنا رہے ہیں۔ اس سے پچھلی آیت میں کفّار کی طرف سے یہ سوال ہے

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (بنی اسرائیل ۹۹)

یعنی جب ہم مر کر ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہمیں ایک اور پیدائش میں اٹھایا جائے گا۔ اس کا جواب اس آیت میں دیا کہ وہ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کر سکتا ہے وہ تمہارے مرنے کے بعد اور اس جسم کے ختم ہو جانے کے بعد تمہارے مثل بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں مثل کا لفظ رکھ کر بتایا کہ وہ بعینہٖ یہ جسم نہیں ہوگا۔ اگرچہ کسی نہ کسی رنگ میں اس کا مثل ہوگا۔

اسیطرح ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (یٰسٓ ۷۹ تا ۸۲)

ترجمہ:۔ اور ہماری ہستی کے متعلق باتیں بنانے لگ جاتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو ان کو بھلا کون زندہ کرے گا۔ تو کہہ دے کہ ایسی ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کی مخلوق بنانے کا علم رکھتا ہے (اسلئے تمہیں اس سے بھی بہت بہتر جسم میں پیدا کرے گا) وہ خدا جس نے تمہارے لئے سبز درختوں میں سے آگ پیدا کی ہے پس تم اس کے ذریعہ سے آگ جلاتے ہو۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر نہیں کہ ان کی مثل پیدا کرے بلکہ وہ بہت پیدا کرنے والا اور بہت علم والا ہے۔ ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دوسری پیدائش مختلف قسم کی ہوگی اور اس کا صرف بعض لحاظ سے موجودہ پیدائش کے ساتھ تشابہ ہوگا۔

پھر فرماتا ہے نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الواقعہ ۶۱-۶۲) یعنی ہم نے تمہارے درمیان موت کا سلسلہ جاری کیا ہے اور ہم سے کوئی آگے نہیں نکل سکتا (یعنی اس قاعدہ کو منسوخ نہیں کر سکتا) کہ ہم تمہیں بدل کر تمہارے جیسے اور بنا دیں اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ ہماری دوسری پیدائش ایسی صورت میں ہوگی کہ وہ اس وقت ہمارے علم میں نہیں ہے یعنی وہ صورت اس سے مختلف ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم ہمیں یہی بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد جو جسم انسان کو دیا جائے گا وہ بعض لحاظ سے اس کے مثل تو ضرور ہوگا لیکن وہ ایسی صورت رکھے گا کہ ہم اسے یہاں سمجھ نہیں سکتے۔ ہمارا موجودہ جسم اخروی زندگی گزارنے کے لئے موزون نہ ہوگا اس لئے اس کو بدل دیا جائے گا اور اس سے بہت بہتر اور لطیف جسم دیا جائے گا عقلاً بھی یہی بات درست نظر آتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اخروی زندگی کا کوئی تعلق اس دنیوی زندگی کے ساتھ نہیں ہوگا اگرچہ وہ ایک رنگ میں اسی کا تسلسل ہوگی۔ یہ ایسے ہی ہوگا جیسا کہ پیدائش انسانی کے بعد کی زندگی کا کوئی تعلق ماں کے پیٹ میں زندگی کے ساتھ نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس کا پورا تسلسل ہوتی ہے۔ اخروی زندگی اور دنیوی زندگی کے دائرے بالکل الگ الگ ہیں۔ دنیوی زندگی مادی زندگی ہے اور اخروی زندگی مادی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ اگرچہ موجودہ زندگی سے بے حد زیادہ حقیقی ہوگی۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ موجودہ زندگی اس کے مقابلہ میں بالکل غیر حقیقی ہے۔ کیا بلحاظ کیفیت اور کیا بلحاظ مدت۔ لیکن اس لحاظ سے وہ اس کا تسلسل ضرور ہے کہ اس کے لئے سب قویٰ کی تعمیر یہیں ہوتی ہے اور وہاں انسان اپنے آپ کو اسی کے تسلسل میں سمجھ رہا ہوگا تبھی اس کا انعام یا اس کی سزا بامعنی ہوگی۔ اس دنیا میں جو اس نے عمل کئے تھے خواہ وہ نیک تھے یا بد سب ایک فلم کی طرح اس کے سامنے لائے جائیں گے تب اسے ان کی جزا یا سزا دی جائے گی۔ لیکن یوں انسان کا کوئی تعلق اس دنیا کے ساتھ نہیں رہے گا۔ نہ ہی وہ اس لطیف اور نقائص سے پاک جسم پانے کے بعد اس دنیا میں واپس آسکتا ہے جس طرح پیدائش کے بعد انسان ماں کے پیٹ میں واپس نہیں جاسکتا کیونکہ پیٹ کا نظام اس کے لئے ختم ہو چکا ہے اور وہ ایسے قویٰ دیا جاچکا ہوتا ہے کہ وہ قویٰ اس کو دوبارہ ماں کے پیٹ میں کام نہیں دے سکتے

اخروی زندگی کا دائرہ بالکل الگ ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عالم آخرت کہاں واقعہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسکی ایک مثال عالم رؤیا میں رکھی ہوئی ہے۔ انسان اسی دنیا میں ہوتا ہے لیکن عالم رؤیا اس کو بالکل الگ ایک دوسری دنیا میں لے جاتا ہے جس کا کوئی تعلق اس دنیا کے ساتھ نہیں رہتا۔ وہ ہوتی یہیں ہے لیکن اس کا دائرہ بالکل علیحدہ ہے اور یہ عالم اس عالم میں کسی مقام پر بھی مُداخل نہیں ہوتا۔ عالم رؤیا میں اس عالم کا پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کہاں ہے اور اس عالم میں ہوتے ہوئے عالم رؤیا کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہے یہی حال عالم آخرت کا ہے اس عالم میں ہوتے ہوئے عالم آخرت کا پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں ہے اور جب ہم عالم آخرت میں جائیں گے تو وہاں یہ پتہ نہیں ہوگا کہ عالم دنیا کہاں ہے یہ اس وجہ سے کہ ان دونوں کے دائرے بالکل الگ الگ ہیں اور ایک کا دوسرے میں تداخل نہیں اگرچہ دونوں ایک ہی جگہ ہوں۔

اسی وجہ سے عالم آخرت کی کیفیات اور اس کی نعما اور اس کی سزا یہاں صرف مثال کے طور پر سمجھی جاسکتی ہیں ورنہ ان کی حقیقت ان مادی اشیاء کی حقیقت سے بالکل الگ ہے (اس حصے پر ہم انشاءاللہ اگلی قسط میں روشنی ڈالیں گے) (باقی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوتِ قدسیہ

آپ بیتی کے چند ایمان افروز واقعات

(محترم چوہدری محمد شریف صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع منٹگمری)

مَیں اس وقت چند باتیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی قوت قدسیہ کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں قوت قدسیہ سے مراد وہ روحانی اثر ہے جو ایک خدا رسیدہ انسان کے ذریعہ عام لوگوں پر پڑ کر ان کی قلبی پاکیزگی کا موجب ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ روحانی اثر جسمانی طور پر بھی محسوس ہوتا ہے لیکن عام طور پر اس کا ظہور دوسروں میں ایمان کی ترقی اور اعمال صالحہ کی غیر معمولی توفیق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اوّل الذکر صورت کی مثال میرا اپنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے کا واقعہ ہے۔ ۱۹۰۶ء میں میرے والد محترم نواب چوہدری محمد الدین صاحب دہلی میں متعین تھے۔ میری عمر اس وقت گیارہ بارہ سال کے درمیان تھی۔ حضرت میر ناصر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے قریب اسی محلہ میں رہتے تھے۔ اُنہوں نے مجھے تحریک کی کہ میں ان کے ہمراہ جلسہ پر چلوں۔ میری والدہ محترمہ اس سے دو سال قبل یعنی ۱۹۰۴ء میں بیعت کر چکی تھیں۔ گھر سے اجازت لے کر میں حضرت میر صاحب موصوف کے ہمراہ قادیان آیا۔ جلسہ ختم ہونے کے اگلے دن مسجد اقصیٰ میں بیعتیں ہوئیں۔ اُن دنوں بیعت کا طریق یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام ایک پگڑی کا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے تھے اور اس کا باقی حصہ بیعت کرنے والوں کے لئے پھیلا دیا جاتا تھا اور وہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے جا بجا پکڑ لیتے تھے اور پھر اُس پگڑی کے ساتھ اور کئی پگڑیاں باندھ کر مختلف اطراف میں پھیلا دی جاتی تھیں۔ اس طرح ایک جال کی صورت بن جاتی تھی اور بیعت کرنے والے جہاں جہاں بیٹھے ہوتے تھے وہیں اپنے دائیں ہاتھ سے پاس والی پگڑی کو پکڑ لیتے تھے۔ میں نے بھی اسی طرح ایک پگڑی کو پکڑ لیا۔ حضور علیہ السلام بیعت کے الفاظ بولتے جاتے تھے۔ اور بیعت کرنے والے ان الفاظ کو دہراتے جاتے تھے۔ جب حضورؑ نے بیعت کے

الفاظ بولنے شروع کئے تو میں نے ایسا محسوس کیا کہ پگڑی میں سے ایک رَو آ رہی ہے جو میرے جسم میں داخل ہوتی جا رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ رَو پگڑی کے ہر ریشہ میں سے گزر کر آ رہی تھی اور میرا جسم اس سے بھرتا جاتا تھا۔ اور جس وقت حضور نے پگڑی کا سرا ہاتھ سے چھوڑا تو اسی وقت وہ رَو بھی بند ہو گئی اس رو میں تیزی بالکل نہیں تھی آہستہ آہستہ جس طرح نہر کا پانی چلتا ہے جسم میں داخل ہوتی تھی۔

یہ واقعہ میری کسی خوش فہمی یا خوش اعتقادی کا نتیجہ نہیں تھا۔ میں ابھی چھوٹا تھا اور میں نے اس وقت تک کسی سے نہیں سنا تھا کہ روحانی یا مادی بھی کوئی رَو ہوتی ہے۔ بلکہ میں بجلی کی رَو تک سے بھی ناواقف تھا کیونکہ اس وقت تک پنجاب کے کسی حصے میں بھی بجلی نہیں آئی تھی اور نہ ہی پانچویں چھٹی جماعت کے طالب علم کو بجلی کے متعلق کچھ پڑھایا جاتا تھا غرض اس میں تخیل کا قطعاً کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ امر کہ میری مشاہدہ کی قوت ان دنوں بالکل صحیح تھی ایک دوسرے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے بیعت کرنے کے دو تین روز بعد میں نے مسجد مبارک میں (جو ان دنوں بہت چھوٹی تھی) دیکھا کہ حضورؑ ظہر کی نماز کے لئے جب تشریف لائے تو بجائے شلوار کے ایک کپڑا جس پر سرخ رنگ، کے خانے بنے ہوئے تھے باندھا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد میں نے یہ بات حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے روبرو بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو ہمیشہ ہی حضورؑ کو پاجامہ پہنے ہوئے دیکھا ہے اور کبھی بھی تہہ بند کی قسم کا کوئی کپڑا باندھے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت مولوی صاحب موصوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ چونکہ پرانے صحابہ میں سے تھے اس لئے میں نے سمجھا کہ ان کی بات ضرور درست ہوگی اور مجھے ہی کوئی غلطی لگی ہے چنانچہ میں نے دوستوں میں اس روایت کو بیان کرنا بند کر دیا گو گھر میں اپنے بچوں کو کئی بار یہ بات سنائی اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتا۔ ہاکہ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کی تردید کی تھی اس لئے میں عام طور پر اس بات کو بیان نہیں کرتا۔ لیکن جب رسالہ اصحاب احمد حصہ دہم شائع ہوا۔ تو میری ایک بیٹی نے جو سیالکوٹ رہتی ہے مجھے لکھا کہ آپ ضرور اپنی روایت بیان کیا کریں کیونکہ یہ بالکل درست ہے اور رسالہ اصحاب احمد حصہ دہم کے صفحہ ۲۳۶ پر ایک روایت درج ہے جو کہ حسب ذیل ہے :۔

"از اخویم چوہدری احمد دین صاحب :۔

۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں والد صاحب حضرت حاجی غلام احمد صاحب موضع بیرسیاں ضلع جالندھر سے ایک اعلیٰ قسم کی جوتی نری کے چمڑا کی تیار کرا کے قادیان لائے اور حضورؑ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ حضور اپنا کوئی مستعمل کپڑا عنایت فرمائیں۔ اُس وقت حضورؑ ایک ہلکے سرخ رنگ کی ڈبی دار دھوتی زیب تن کئے ہوئے تھے۔ آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے اور شلوار پہن کر یہ دھوتی لا دی جو ہمارے خاندان میں اب تک محفوظ ہے گو وہ تمام خطوط جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی طرف سے حاجی صاحب کو موصول ہوتے رہے تھے ۱۹۴۷ء کے فسادات کی نذر ہو گئے ۔"

نیچے حاشیہ میں محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ایڈیٹر رسالہ اصحاب احمد نے تحریر کیا ہے کہ اُس سوتی کپڑے کی دھوتی کی زمین سفید اور اس پر چھوٹی چھوٹی سرخ ڈبیاں ہیں یعنی سرخ چیک ہے ۔ کپڑا سادہ ہے اور یہ کہ انہوں نے محترم چوہدری احمد دین صاحب کے پاس یہ مبارک دھوتی جولائی ۱۹۶۱ء میں لائل پور شہر میں دیکھی تھی ۔۔۔۔ جو انہوں نے نہایت احتیاط سے رکھی ہوئی ہے ۔ یہ واقعہ میں نے اس امر کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے کہ میری مشاہدہ کی قوت اس وقت بھی بالکل صحیح اور قابل اعتبار تھی ۔ اور یہ کہ بیعت کا جو واقعہ میں نے اپنے متعلق بیان کیا ہے ۔ اس میں تخیل کا کوئی دخل نہیں تھا ۔

اس قسم کے واقعات کئی اور اصحاب کو بھی پیش آئے ہیں مثلاً "اصحاب احمد" کی جلد مذکور کے صـ۲۳۸ پر اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی درج ہے جو یہ ہے :-

(از حاجی غلام احمد صاحب ساکن کریام)

"اُن دنوں مسجد مبارک کے ساتھ ابھی دوسرا حصہ شامل نہ تھا ۔ سابق زینہ کے ساتھ والی کوٹھڑی میں جس کے اندر لکڑی کی سیڑھی بھی تھی اور جہاں سے مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آتے تھے چند مہمان حضورؑ کی ملاقات کے لئے آئے حضورؑ نے بالوں کو مہندی لگائی ہوئی تھی ۔ ریش مبارک اور سر مبارک کو مہندی لگی ہوئی تھی اور اس پر کپڑا لپیٹا ہوا تھا اسی حالت میں حضورؑ تشریف لے آئے ۔ میں بھی ان نوواردوں میں شامل ہو کر اس کوٹھڑی میں بیٹھ گیا ۔ حضورؑ سے نووارد باتیں کرتے رہے لیکن وہ باتیں مجھے یاد نہیں رہیں ۔ میں نے اس وقت دیکھا کہ میرے اندر سے کوئی چیز دھوئیں کی طرح نکل رہی ہے ۔ میں اس وقت حضورؑ کے سامنے بیٹھا تھا ۔ میں نے بہت غور کیا مگر مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا رہا کہ یہ گناہ ہیں جو اندر سے دھواں بن کر نکل رہے ہیں اور یہ حضورؑ کی صحبت کی برکت ہے ۔"

یہ واقعہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ جب بیعت کرتے وقت میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی طرف سے کوئی نُور نکل کر میرے جسم میں داخل ہو رہی ہے تو یہ کوئی غیر معمولی اور اچنبھہ بات نہیں تھی ۔ کیونکہ بعض اور اصحاب کو بھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں ۔

اِن واقعات کے علاوہ مشاہدہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ حضورؑ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے لوگوں نے زیادہ سرعت کے ساتھ روحانی مدارج حاصل کئے اور زیادہ جلدی صاحبِ کشوف اور رؤیا ، ہونے کا

مقام حاصل کیا بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے بیعت تو کی لیکن ذاتی صحبت کے مواقع اُن کو میسّر نہ آئے۔ حالانکہ جہاں تک حضورؑ کی تعلیم اور وعظ و نصیحت کا تعلق ہے وہ اخبارات و رسائل اور کتب کے ذریعے ہر جگہ لوگوں کو پہنچتے تھے۔ پاس رہنے والے احمدیوں کی حالت میں یہ نمایاں فرق صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ حضورؑ کی ذاتِ مبارک سے بعض اثرات پاس بیٹھنے والوں پر ایسے پڑتے تھے جن کی وجہ سے ان کے دلوں کی صفائی کے مدارج جلدی طے ہو جاتے تھے اور وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام و کشوف کے انعام سے زیادہ بہرہ ور ہوتے تھے۔ دُور رہنے والے ان سے محروم رہتے تھے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضورؑ کے جسم مطہر سے بعض ایسی نورانی شعاعیں نکلتی تھیں جو بظاہر آنکھ سے نظر نہیں آتی تھیں لیکن قریب بیٹھنے والوں پر اثر ڈالتی تھیں اور یہی روحانی کیفیت تمام خدا رسیدہ انسانوں میں درجہ بدرجہ پائی جاتی ہے۔ یہ کیفیت بدرجہ اتم حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔ اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و علی عبدہ المسیح الموعود و بارک وسلم انک حمید مجید۔

قوّتِ کشش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”وہ ایک خاص کشش ہوتی ہے جو کہ انبیاء علیہم السّلام کو دی جاتی ہے اور تمام پاکیزہ دلوں کو محسوس ہوتی ہے اور جو اس سے متاثر ہوتے ہیں وہ ایک فوق العادت زندگی کا نمونہ دکھلاتے ہیں اور ہیرے کے ٹکڑوں کی طرح اس کشش کی چمک نظر آتی ہے اور جس کو وہ کشش عطا ہوتی ہے وہ الٰہی طاقتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی نادر اور مخفی قدرتیں جو عام طور پر ظاہر نہیں ہوتیں ایسے شخص کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں اور اسی کشش سے ان کو کامیابی ہوتی ہے“ (ملفوظات جلد ۶ صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷)

"میں بوڑھا نہیں ہوا البتہ انصار اللہ جوان ہو گئی ہے"

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا بارہ۱۲ سال قبل کا ایک ارشاد

(مکرم محمد احمد صاحب انور ایم۔اے ربوہ)

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو ابتداء سے ہی نصرت دین کا جذبہ اور توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ ہر مفوضہ عہدہ پہ خدائے قادر نے آپ کو کامیاب و کامگار فرمایا۔ سب سے پہلے تو خدام الاحمدیہ کی تنظیم آپ کی ممنون احسان ہے۔ آپ نے مجلس خدام الاحمدیہ کو حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں منظم کیا۔ اس تنظیم کی آپ نے ایک بچہ کی حیثیت سے پرورش فرمائی اور نہایت خوش اسلوبی سے اس تنظیم کو بتدریج ترقی دیتے ہوئے کامیابی کے ساتھ بلوغت تک پہنچایا۔ آپ نے اس تنظیم کی قیادت بحیثیت صدر اور نائب صدر ۱۸ سال تک فرمائی۔ اس کے بعد جب آپ کی عمر ۴۰ سال سے تجاوز کر گئی تو حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کامیاب و کامران قائد کو مجلس انصار اللہ کا صدر مقرر فرمایا۔ اس وقت تک یہ تنظیم صرف بوڑھوں کی تنظیم سمجھی جاتی تھی اور بوڑھوں کی طرح ہی چل رہی تھی۔ انصار اللہ میں شمولیت کے موقعہ پر جب ایک خادم نے آپ سے کہا "کیا میاں صاحب آپ بوڑھے ہو گئے ہیں" تو اس مرد مجاہد اور عظیم قائد نے بڑی بشاشت اور پرعزم لہجہ میں فرمایا "نہیں میں بوڑھا نہیں ہوا البتہ انصار اللہ جوان ہو گئی ہے"۔ خاکسار نے آپ کے اس جواب سے متاثر ہو کر ایک مضمون لکھا جو انہی دنوں ماہنامہ "خالد" بابت دسمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔

یہ فقرہ آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا لیکن واقعات شاہد ہیں اور ہم میں سے ہر شخص اس پر گواہ ہے کہ آپ نے اپنے فعل سے اپنے اس قول کو عملی جامہ پہنا کر فی الحقیقت انصار اللہ کو جوان کر دکھایا۔ ۱۹۵۴ء

سے لے کر اس وقت تک انصاراللہ نے ہر میدان میں ایسی عظیم الشان ترقی کی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ بعض میدانوں میں تو اس کا قدم خدام الاحمدیہ سے بھی آگے ہے۔ کون نہیں جانتا تعمیری، تنظیمی اور روحانی لحاظ سے اس تنظیم نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ ہر وہ شخص جس نے انصاراللہ کے اجتماعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں وہ اس حیرت انگیز ترقی کا عینی شاہد ہے بفضل اللہ تعالیٰ یہ آپ کا عزم جوان ہمت بلند اور خداداد قابلیت ہی تھی جس نے بیساختہ انداز میں کہی ہوئی اس بات کو کہ میں بوڑھا نہیں ہؤا البتہ انصاراللہ جوان ہوگئی ہے۔" عملاً سچ ثابت کر دکھایا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت کا عظیم الشان منصب عطا فرمایا ہے آپ نے اپنی پرعزم امامت کے ذریعہ جماعت کے ایک ایک فرد کو باور کرا دیا ہے کہ ہم خواہ طفل ہوں یا خادم یا انصاراللہ کے ممبر ہم سب جوان ہیں اور ہمیں جوانوں کی طرح ہر میدان میں قدم آگے سے آگے ہی بڑھانا چاہیئے۔ ہم جماعت کی کسی بھی ذیلی تنظیم کے ممبر کیوں نہ ہوں ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمارا امام اور خلیفہ صاحب عزم و ہمت وہ مرد خدا ہے جس نے اپنی پرعزم قیادت میں خدام الاحمدیہ کی تنظیم کو بلوغت تک پہنچایا اور پھر انصاراللہ کی تنظیم کو جو بوڑھوں کی تنظیم سمجھی جاتی تھی جوان کر دکھایا۔ ہمارا اوّلین فرض ہے کہ مختلف تنظیموں میں آپ کی پیدا کردہ روح کو نئے سرے سے اجاگر کریں اور یہ ثابت کر دیں کہ جماعت احمدیہ جوان ہے اور انشاءاللہ العزیز جوان ہی رہے گی۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم صدق دل سے یہ عہد کریں کہ ہم آپ کے ہر حکم پر لبیک کہتے ہوئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور اس طرح جماعت کی ترقی میں مددگار و معاون بننے کی کوشش کریں گے۔ جماعت احمدیہ کی ترقی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامی پیشگوئیوں کے مطابق مقدر ہے اور ہو کر رہے گی انشاءاللہ یہ خدائی نوشتے ہیں جو ٹل نہیں سکتے خدا نے اپنے فضل سے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم مالی اور وقت کی قربانی کر کے اس خدائی تقدیر کو بروئے کار لانے میں حصہ دار بننے کی عظیم الشان سعادت حاصل کریں اور اس طرح لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جائیں کتنا بڑا انعام ہے جو ہماری حقیر قربانیوں کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ ہمیں دینا چاہتا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور وہ دن جلد لائے کہ احمدیت پورے کرۂ ارض پر غالب آجائے اور اس طرح یہ دنیا جو روحانی ضعف کا شکار ہے روحانی لحاظ سے جوان ہو جائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو درجہ بدرجہ صحیح معنوں میں اطفال الاحمدیہ خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ کا رکن اور خادم احمدیت بننے کی توفیق بخشے۔ آمین ۔

-٭-

مجالس انصار اللہ سے ایک ضروری گزارش

حاسبوا قبل ان تحاسبوا کا ارشاد پیش نظر رکھا جائے

ہر مجلس مکلف ہے کہ وہ دینی مساعی کی ماہانہ رپورٹ مرکز میں باقاعدگی سے بھجوایا کرے لیکن افسوس کہ جملہ مجالس کا ایک معتدبہ حصہ اس اہم کام کی طرف کماحقہ توجہ مرکوز نہیں کرتا۔ خاکسار نے اصلاح وارشاد کی قیادت کی مساعی کی رپورٹ کا جائزہ لیتے ہوئے حسب ذیل نقائص مشاہدہ کئے ہیں۔ زعماء حضرات آئندہ ان کی اصلاح کا خیال رکھیں۔

۱۔ رپورٹ فارم کی خانہ پری احتیاط سے نہیں کی جاتی۔ بعض اوقات مجلس اور رپورٹ کا نام بھی نہیں پڑھا جاتا۔

۲۔ اکثر مساعی غیر معین الفاظ میں درج ہوتی ہیں۔ جن سے مجموعی رپورٹ مرتب نہیں کی جا سکتی۔ مساعی کا ذکر اعداد و شمار میں کرنا لازمی ہے جیسا کہ رپورٹ فارم میں مذکور ہے۔

۳۔ بعض اوقات قیادت تعلیم کی رپورٹ قیادت اصلاح وارشاد میں درج کر دی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس۔ مختلف قیادتوں کی رپورٹ الگ الگ مقررہ کالموں میں درج ہونی چاہیئے۔

۴۔ بعض مجالس سادہ کاغذ پر رپورٹ بھجوا دیتی ہیں۔ مجلس کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنا۔ ممبران مجلس کا عموماً اور عہدہ داران حضرات کا خصوصاً فرض ہے۔

ابھی سال کا بیشتر حصہ باقی ہے۔ عہدہ داران حضرات اپنی مجالس کو ان خطوط پر پابندی سے چلانے کا اہتمام فرمادیں۔ جو منصوبے سال رواں میں معین کئے گئے ہیں ان کے متعلق پیشتر اس کے کہ سال کے آخر میں آپ کا محاسبہ کیا جائے۔ آپ ہر ماہ اپنا محاسبہ خود مقامی طور پر کر لیا کریں۔ اور ہر ماہ سابقہ ماہ سے زیادہ احسن طریق پر کام کو چلانے کی سعی فرمادیں۔"

(قائد اصلاح وارشاد)

مغرب میں پروان چڑھنے والی "مسیحی دہریت"

مسیح کو خدا کا درجہ دینے کا عبرتناک انجام

گزشتہ شمارہ میں ہم نے اس امر پر روشنی ڈالی تھی کہ مغرب میں عیسائیت صدیوں غالب رہنے کے بعد اب یکسر ناکام ہو چکی ہے کیونکہ وہاں کے عوام کا کفارہ اور الوہیت مسیح کے عقائد پر سے ایمان اٹھتا جا رہا ہے اس کے ثبوت میں ہم نے مشہور امریکی رسالہ "نیوز ویک" بابت ۱۱ر اپریل ۱۹۶۶ء کے حوالہ سے مغربی یونیورسٹیوں میں مسیحی دینیات کے نامور پروفیسروں کے متعدد بیانات درج کئے تھے جن میں انہوں نے مروجہ عیسائی عقائد پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اس امر کو بالوضاحت پیش کیا ہے کہ یہ عقائد سائنسی ترقی کی آغوش میں پروان چڑھنے والے، دورِ جدید کے انسان کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اپنے ان بیانات میں ان پروفیسروں نے یہ بھی کہا ہے کہ ابتدائی زمانہ کے عیسائی مسیح کو صرف ایک انسان اور خدا کا رسول یقین کرتے تھے نہ کہ خدا یا خدا کا بیٹا۔ ان کا کہنا ہے کہ تثلیث، کفارہ، اور مر کر جی اٹھنے سے متعلق مروجہ عقائد بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہیں۔

"نیوز ویک" نے مروجہ عیسائی عقائد سے عام بیزاری کا ذکر کرنے کے علاوہ ایک اور نہایت ہی دلچسپ بایں ہمہ افسوسناک رجحان کی بھی نشاندہی کی ہے اور وہ یہ کہ مغرب کے عیسائی ممالک میں مروجہ عیسائی عقائد ایک جدید قسم کی دہریت کو پھیلانے کا موجب ثابت ہو رہے ہیں۔ وہاں ایک طبقہ ایسا ہے جو عیسائیت کا دم بھرنے کے باوجود اپنے آپ کو دہریہ کہتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ مروجہ عیسائی عقائد کی بنیاد پر دہریت کے قائل ہیں اس لئے وہ مصر ہیں کہ اصل عیسائی وہ خود ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی دہریت کو "مسیحی دہریت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ مسیح کا سب سے بڑا کارنامہ یہ

ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو خدا کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور پھر خود ہی صلیب پر جان دے کر دنیا کو باور کرا دیا کہ خدا مر گیا۔ اس سے اُس کی مراد یہ تھی کہ اوّل تو خدا ہے ہی نہیں اور اگر بفرض محال وہ تھا بھی تو اب اس پر موت وارد ہونے سے وہ کالعدم ہو گیا ہے۔ رہا مسیح کا مرنے کے بعد جی اٹھنے کا واقعہ تو یہ چرچ کی اپنی خوش اعتقادی ہے۔ اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جب خدا نے مسیح کے روپ میں تجسم اختیار کیا تو وہ ایک کمزور ناتواں اور مجبور معذور ہستی کا روپ دھارنے کے بعد وراء الوراء اور قادر مطلق نہ رہا اور جب وہ قادر مطلق نہ رہا تو پھر اس کے لئے قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ دوبارہ جی اٹھتا لہٰذا دوبارہ جی اٹھنے کا سارا واقعہ ایک ڈھونگ سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس قسم کی دہریت کے جو لوگ قائل ہیں وہ معمولی اور بے حیثیت لوگ نہیں ہیں بلکہ ان میں یونیورسٹیوں میں دینیات کی تعلیم دینے والے نامور پروفیسر بھی شامل ہیں۔ ایسے پروفیسروں کا ذکر کرتے ہوئے "نیوزویک" اپنے مذکورہ بالا مقالہ میں رقم طراز ہے:-

"امریکہ کے بہت سے نوجوان اساتذۂ دینیات کے ذہن عصر حاضر کے انسان کے وجودِ باری پر عدم یقین سے اور اس عدم یقین کو دور کرنے میں چرچ کی نااہلی سے بہت متاثر ہیں انہوں نے خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کی بجائے خود اس امر کی تائید کرنی شروع کر دی ہے کہ "خدا مر گیا"۔ ان کا کہنا ہے کہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسانی زندگی میں خدا کا وجود بالکل ناپید ہو چکا ہے۔ اس کو وہ "مسیحی دہریت" کا نقطۂ آغاز تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ از راہ ستم ظریفی ان کی اس دہریت کی بنیاد خود مسیح کا وجود ہے (جس نے خدا ہونے کے باوجود مر کر دکھا دیا)" (نیوزویک ۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۴۵)

آگے چل کر "نیوزویک" نے نام بنام بعض ایسے اساتذۂ دینیات اور ان کے نظریات کا ذکر کیا ہے جو مسیح کی صلیبی موت کو خدا کی موت سے تعبیر کرتے ہوئے عیسائیت کا دم بھرنے کے باوجود دہریت کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہے:-

"کالگیٹ روچیسٹر ڈِوِنِٹی سکول میں دینیات کے پروفیسر ڈاکٹر ولیم ہملٹن کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک مسیح کی زندگی کا اصل اور حقیقی واقعہ یہ ہے کہ "خدا مر گیا"۔۔۔"

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا مر چکا ہے تو پھر مسیح پر بھروسہ رکھنے اور اس کے دامن سے وابستہ رہنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ اٹلانٹا کی ایموری یونیورسٹی (ATLANTA'S EMORY UNIVERSITY) میں مذہبیات کے پروفیسر مخاطب ہیں

جے ایلٹیزر (THOMAS J. J. ALITZ AR) کے نزدیک "خدا کی موت" اصل میں اعتقاد کے لئے ایک بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایلٹیزر نے ایک دلچسپ رسالہ بھی لکھا ہے جس کا عنوان عجیب تناقض کا حامل ہے۔ عنوان یہ ہے کہ "مسیحی دہریت کی انجیل" یہ رسالہ اگلے ماہ ویسٹ منسٹر پریس کی جانب سے شائع کیا جائے گا۔ اس میں ایلٹیزر نے اپنے نظریہ کی وجوہات بیان کی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بنیادی تبدیلیوں کے حامی ایک عیسائی یا بالفاظ دیگر ایک مسیحی دہریہ کے اعتقاد کی بنیاد مسیح کی الوہیت اور اس کی صلیبی موت ہے نہ کہ اس کا مُردوں میں سے دوبارہ جی اٹھنا۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ وراء الوراء خدا نے جو تمام مخلوقات سے بالا ہے جب مسیح میں جو ایک انسان تھا حلول کیا اور پورا کا پورا اس کے گوشت پوست کا جزو بن گیا تو وہ اپنی ماورائیت سے یکسر دستبردار ہو گیا۔ اس ماورائیت سے جب اس نے تنزل کے رنگ میں تجسم اختیار کیا تو اس نے مسیح کے روپ میں اپنے آپ کو ایک انسان بنا لیا۔ اس طرح مسیح کے مرنے سے کوئی اور تاریخی واقعہ کے لحاظ سے منزہ عن الخطاء خدا کی الوہیت پہ موت وارد ہو گئی۔ ایلٹیزر کی انجیل کی رو سے جب مسیح مر گیا تو یہ کوئی اور خلقی خدا یعنی مسیح تبدیلیوں کے مراحل میں سے گزر کر کائنات کے مادی وجود میں ضم ہو گیا۔ ابتدائی مسیحی کلیسا کے اعتقاد کے خلاف ایلٹیزر کہتا ہے کہ مسیح بیک وقت کامل خدا اور کامل انسان نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا اس کا کہنا یہ ہے کہ ایک سچے عیسائی کو مسیح کے مُردوں میں سے جی اٹھنے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ مر کر جی اٹھنے کا تو مطلب یہ ہوا کہ خدا نے زمین سے واپس آسمان میں چھلانگ لگا کر کسی نہ کسی طرح اپنی ماورائیت کو دوبارہ حاصل کر لیا۔" (ایضاً)

یہ ہے عبرتناک انجام خدا کے مقدس رسول حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائی کا درجہ دینے کا۔ چرچ نے تثلیث اور کفارہ کا عقیدہ دنیا سے یسوع کی مزعومہ الوہیت منوانے کے لئے ایجاد کیا تھا۔ ایک زمانہ تک اسے اس میں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن بالآخر ہوا کیا؟ خود یورپ کے عیسائی جنہوں نے انیسویں صدی عیسوی میں سارے دنیا کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کا منصوبہ بنایا تھا خود ان میں سے بعض عیسائی اپنی مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر خدا کی ہستی کے ہی منکر ہو گئے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کے منکر ہونے کے باوجود وہ اپنے دعوے کی رو سے ہیں اصلی نسلی عیسائی۔ اب وہ مسیح کی الوہیت کے نہیں بلکہ "مسیحی دہریت" کے علمبردار ہیں۔ مغرب میں اب ایک بہت بڑا طبقہ (جیسا کہ ہم گزشتہ شمارہ میں ثابت کر چکے ہیں) مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ فطرۃً ایک انسان اور خدا کا ایک رسول تسلیم کرتا ہے اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو مسیح کی الوہیت تو درکنار خود

خدا ہی کے وجود کا منکر ہو بیٹھا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو فی الاصل ایک چھوٹی سی اقلیت باقی رہ جاتی ہے جو ابھی تک چرچ اور اس کے مشرکانہ عقائد سے چمٹی ہوئی ہے۔

یہ صورتِ حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مغرب کے عیسائی ممالک میں عیسائیت کے یکسر ناکام ہو جانے باعث وہاں ایک زبردست روحانی خلا پیدا ہو چکا ہے اس خلاء کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے بموجب اسلام پُر کرے گا۔ اس عظیم الشان روحانی انقلاب کی وہاں احمدیہ مشنوں کے قیام کے ذریعہ بنیاد پڑ چکی ہے۔ یہ انقلاب جماعت احمدیہ کی عدیم النظیر تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں ہی رونما ہو گا۔ یہ خدائی تقدیر ہے جو اپنے وقت پر پوری ہو کر رہے گی جیسا کہ حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے بلکہ دروازہ پر ہے کہ جب :-

" سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہو گا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور جو نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہو گا جب تک دجّالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہیگا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد دلوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی "۔ (اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

اور یہ کہ جب :-

" وہ (خدا) اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا ..... اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسےٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا (یعنی اسلام) اور ایک ہی پیشوا (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) "

(تذکرۃ الشہادتین۔)

بچوں کا صفحہ

بچپن کا عظیم الشان خواب!

آج ہم بچوں کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بچپن کے زمانہ کا ایک عظیم الشان خواب سناتے ہیں۔ خواب اتنا شاندار ہے کہ اُسے سُن کر دل خوشی سے بھر جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی حمد کے ترانے گانے لگتا ہے۔ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچپن کے اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میں چھوٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا میں مشرق کی طرف مونہہ کر کے کھڑا ہوں اور سامنے میرے ایک وسیع میدان ہے۔ اس میدان میں اس طرح کی ایک آواز پیدا ہوئی جیسے برتن کو ٹھکورنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ آواز فضا میں پھیلتی گئی اور یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ ساری فضا میں پھیل گئی ہے۔

اس کے بعد اُس آواز کا درمیانی حصّہ متمثل ہونے لگا اور اس میں ایک چوکھٹا ظاہر ہونا شروع ہوا جیسے تصویروں کے چوکھٹے ہوتے ہیں۔ پھر اُس چوکھٹہ میں کچھ ہلکے سے رنگ پیدا ہونے لگے۔ آخر وہ رنگ روشن ہو کر ایک تصویر بن گئے۔ پھر اُس تصویر میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ایک زندہ وجود بن گئی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔

وہ فرشتہ مجھ سے مخاطب ہوا اور اس نے مجھے کہا کہ کیا میں تم کو سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھاؤں۔ میں نے کہا کہ ہاں آپ مجھے ضرور اس کی تفسیر سکھائیں۔ پھر اُس فرشتے نے مجھے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھانی شروع کی۔ تفسیر سکھاتے سکھاتے وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تک پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے مجھے کہا اِس وقت تک جتنی تفاسیر لکھی جا چکی ہیں وہ اس آیت تک ہیں۔ اس کی بعد کی آیات کی کوئی تفسیر اب تک نہیں لکھی گئی۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھا کیا میں اس کے بعد کی آیات کی تفسیر بھی تم کو

سکھاؤں۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر فرشتہ نے مجھے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اور اس کے بعد کی آیات کی تفسیر سکھانی شروع کی۔ اور جب وہ ختم کر چکا تو میری آنکھ کھل گئی۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل جزاول ص۶)

حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کے زمانہ کا یہ خواب کیسے شاندار طریق پر پورا ہوا۔ بچے اس سے بخوبی واقف ہیں۔ حضورؓ کی لکھی ہوئی "تفسیر کبیر" حضورؓ کے خطبات اور حضورؓ کی کتب اس پر شاہد ہیں۔ حضورؓ نے قرآن مجید کی ایسی زبردست تفسیر لکھی جس کی اس میں کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ آنے والی نسلیں قیامت تک حضورؓ کی تفسیر سے فائدہ اٹھاتی چلی جائیں گی۔

حضورؓ نے خود بھی اپنے اس خواب کے پورا ہونے کا ذکر فرمایا۔ ہم حضورؓ ہی کے الفاظ میں بچوں کو وہ ذکر بھی سناتے ہیں۔

حضورؓ نے فرمایا:۔

"جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اُس تفسیر کی ایک دو باتیں مجھے یاد تھیں لیکن معاً بعد میں پھر سو گیا۔ جب دوبارہ اٹھا تو تفسیر کا کوئی حصہ بھی یاد نہ تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مجھے ایک مجلس میں اس سورۃ پر کچھ بولنا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ اس سورۃ کے نئے نئے مطالب میرے ذہن میں نازل ہو رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ فرشتے کے تفسیر سکھانے کا یہی مطلب تھا۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ہمیشہ اس سورۃ کے نئے نئے مطالب مجھے سکھائے جاتے ہیں جن میں سے سینکڑوں میں مختلف کتابوں اور تقریروں میں بیان کر چکا ہوں اور اس کے باوجود وہ خزانہ خالی نہیں ہوا"

(ایضاً)

بچوں کو چاہیئے کہ وہ بھی نیک بننے کی کوشش کریں۔ ہر بُرائی سے بچیں۔ ہر نیکی کو اختیار کریں۔ نمازیں بہت سنوار کر پڑھیں اللہ تعالیٰ کے حضور خوب دعائیں کیا کریں۔ ابھی سے عہد کریں کہ وہ بڑے ہو کر دین کی خدمت کریں گے۔ اگر بچے ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی بڑے اچھے اچھے خواب دکھائے گا اور انہیں بڑے بڑے انعام دے گا۔

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے اعلانات:-

تعمیر فنڈ انصاراللہ

سالِ رواں کے لئے تعمیر فنڈ کا بجٹ چار ہزار روپیہ منظور ہوا تھا۔ بعض تعمیری کاموں کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اراکین سے درخواست ہے کہ جس طرح وہ پہلے تعاون کرتے رہے ہیں اب بھی رقم جلد پوری کر دیں تاکہ کام بروقت سرانجام دیا جا سکے جزاکما اللہ احسن الجزا۔

(قائد مال انصاراللہ مرکزیہ ربوہ)

مِمّا رزقنھم ینفقون

خدمت خلق کا صرف یہی رنگ نہیں کہ مادی شکل یعنی روپیہ، پیسہ سے ہی مدد کی جا سکتی ہو متذکرہ فرمان کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہزاروں قسم کی استعدادیں اور طاقتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کی روشنی میں اگر انسان اپنے ارد گرد نگاہ رکھے تو ہر کوئی محسوس کرے گا کہ شاید ہی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ گزرے کہ ہر کوئی کسی نہ کسی کی کسی نہ کسی رنگ میں مدد کرنے کی پوزیشن میں ہو گا۔ ضرورت صرف اُن لائحوں پر غور اور فکر کرنے کی ہے جن کی طرف قرآن حمید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

(قائد ایثار انصاراللہ مرکزیہ۔ ربوہ)

مجلس انصاراللہ کے تربیتی اجتماعات

مجلس انصاراللہ کے سالانہ پروگرام میں ضلعی و علاقائی سطح پر تربیتی اجتماعات کا انعقاد بھی شامل ہے گزشتہ سال خدا تعالیٰ کے فضل سے ناظمین اعلیٰ و ناظمین اضلاع اصحاب کے تعاون سے مشرقی و مغربی پاکستان میں متعدد مقامات پر تربیتی اجتماعات منعقد ہوئے اور اراکین انصاراللہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک خاص بیداری پائی گئی امسال ہمیں اس طرف اور زیادہ توجہ اور کوشش سے زیادہ سے زیادہ مقامات پر اجتماع منعقد کرنے چاہئیں تاکہ جہاں احمدی دوستوں کے لئے تربیت نفس کا موقعہ پیدا ہو وہاں تبلیغ ہدایت کے لئے بھی راستہ صاف ہو چنانچہ اس اعلان کے ذریعہ جملہ ناظمین اعلیٰ / ناظمین اضلاع اصحاب کی خدمت میں درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مجلس عاملہ کے مشورہ سے اجتماع کے لئے تاریخیں تجویز کر کے حضرت صدر محترم سے منظوری حاصل کر لیں اور اجتماعات کا اہتمام

فرما دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ)

مشخصہ بجٹ جلد بھجوائیں

سال رواں میں سے تقریباً سوا پانچ ماہ گزر گئے ہیں۔ ایسی مجالس انصار اللہ جنہوں نے ابھی تک اس سال کے مشخصہ بجٹ نہیں بھجوائے وہ از راہ کرم توجہ فرما دیں اور بجٹ مکمل کر کے جلد بھجوا دیں جزاکم اللہ احسن الجزاء

زعماء انصار اللہ سے گزارش!

سال رواں کی پہلی ششماہی ختم ہونے میں چند دن باقی رہ گئے ہیں اس وقت تک تمام مجالس کو اپنے ذمہ کا نصف چندہ ادا کر دینا چاہیئے تھا بعض مجالس نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ لہذا تمام زعماء انصار اللہ سے گزارش ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کرنے کی طرف توجہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

زمیندارہ مجالس کی توجہ کیلئے

ہمارے زمیندار بھائیوں کو اپنے ملک کی سب سے بڑی فصل کی برداشت مبارک ہو ہمارے زمیندار بھائی اپنے ذمہ کا چندہ بالعموم فصل کی برداشت پر ادا کیا کرتے ہیں۔ اس لئے زعماء انصار اللہ سے گزارش ہے کہ وہ فصل کی برداشت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اراکین انصار اللہ سے ان کے ذمہ کا چندہ وصول کر کے جلد تر مرکز میں بھجوا دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء (قائد مال انصار اللہ مرکزیہ)

ماہانہ رپورٹ کارگزاری انصار اللہ

جملہ مجالس انصار اللہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے تربیت و اصلاح اور دین اسلام کی مضبوطی کے لئے کم و بیش کوششیں ہوتی رہتی ہیں مگر کئی مجالس ایسی ہیں جو بروقت دفتر مرکزیہ میں اپنی مساعی کی اطلاع نہیں بھجوائیں جس کی وجہ سے مرکز ایسی مجالس کی کوششوں سے بے خبر رہتا ہے لہذا ایسی تمام مجالس سے درخواست ہے کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ ہر ماہ کی دس تاریخ تک گزشتہ مہینہ کی رپورٹ مرکز میں بھجوا دیا کریں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

۱۹۶۶ء

تک
ادیں

تمام
تمام
وں۔

کو
سے

مبارک ہے وہ جو دین کو اور خدا تعالی کو سب چیزوں پر مقدم رکھتا ہے!

خداتعالی بھی ایسے شخص کو مقدم رکھتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''دین کو دنیا پر مقدم رکھنا نہایت مشکل امر ہے۔ کہنے کو تو انسان کہہ لیتا ہے اور اقرار بھی کر لیتا ہے مگر اس کو پورا کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا اس طرح پر پہچانا جاتا ہے کہ جب انسان کا دنیوی مال میں نقصان ہو تو کس قدر درد اس کے دل کو پہنچتا ہے اور اس کے بالمقابل جب کسی دینی امر میں نقصان ہو جائے تو پھر کس قدر درد اس کے دل کو ہوتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اس شناخت کے واسطے اپنے دل کو ہی ترازو بنائے کہ دنیوی نقصان کے واسطے وہ کس قدر بےقرار ہوتا ہے اور چیخنا چلاتا ہے اور پھر دینی نقصان کے وقت اس کا کیا حال ہوتا ہے۔ بد ہے وہ شخص جو دوسرے کو دھوکہ دیتا ہے مگر بدتر وہ ہے جو اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیتا ہے۔ دین کو مقدم نہیں کرتا اور خیال کرتا ہے کہ میں دین کو مقدم کئے ہوئے ہوں۔ وہ سچے طور پر خداتعالی کا فرمانبردار نہیں بنا اور ظن کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ جو شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے ممکن ہے وہ ظلم کرکے بھاگ جائے اور اس طرح اپنے آپ کو بچائے مگر وہ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا وہ کہاں بھاگ کر جائیگا اور اس ظلم کی سزا سے کس طرح بچ سکے گا۔ مبارک ہے وہ جو دین کو اور خداتعالی کو سب چیزوں پر مقدم رکھتا ہے کیونکہ خدا بھی اسے مقدم رکھتا ہے،،

(بدر ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء)

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا